اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۵ | شوال المکرم ۱۴۴۵ھ | اپریل ۲۰۲۴ء | شمارہ ۴

الظاھر

اصلاح ظاہر کی افادیت واہمیت (قسط دوم)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے زرسالانہ =/ ۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

الظاھر

(اصلاح ظاہر کی افادیت واہمیت) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ الظاہر ۱۵۔ ربیع الاول ۱۳۳۶ ہجری کو چک دائرہ شاہ عبدالجلیل صاحب الہ آباد میں ۳ گھنٹے ۱۰ منٹ تک کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ بیان کے لیے جس آیت کا انتخاب فرمایا وہ وہی آیت ہے جس پر دو روز قبل بیان فرمایا تھا آیت کے دو مدلول تھے ایک سے اصلاح باطن کو ذکر کیا تھا دوسرے سے اصلاح ظاہر کو ذکر کررہے ہیں گذشتہ وعظ میں اصلاح باطن کو اسی آیت سے ثابت کیا تھا اور آج اسی آیت سے ضرورت اصلاح ظاہر پر زور دیا گیا ہے۔ سامعین کی تعداد ۲۵۰۰ تھی، وعظ حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ مقیم میرٹھ محلّہ کرم علی نے قلمبند کیا۔ وعظ کے مضامین انتہائی مفید ہیں اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (آزادی کے نتائج) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (دور بے باکی) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

4/12/23

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	دور بے باکی	۷
۲	آج کل کی درویشی	۷
۳	آج کل کے شاہ صاحبوں کے حال	۸
۴	آج کل کی درویشی کا معیار	۸
۵	شہرت کی ترکیبیں	۱۰
۶	کیمیائے باطن	۱۱
۷	راہ سلوک کی حقیقت	۱۱
۸	جدید تعلیم یافتہ حضرات کے نئے خیالات	۱۳
۹	دین کو غیر ضرورت سمجھنے کے نتائج	۱۴
۱۰	امور دین میں عدم احتیاط	۱۵
۱۱	نئے خیالات	۱۷
۱۲	صلح کل	۱۸
۱۳	صریح کفر	۲۰
۱۴	ہمدردان اسلام کی خدمت دین کی عجیب مثال	۲۱
۱۵	لیڈران قوم کی عقل کا حال	۲۲
۱۶	لیڈران قوم کی خیر خواہیٔ اسلامی کی عجیب مثال	۲۳
۱۷	اصل عمل ظاہر ہے اور باطن اس کے تابع	۲۴
۱۸	ایک فلسفیانہ راز	۲۵
۱۹	باطن کو مقصود اعظم کہنے والوں کی مثال	۲۶
۲۰	شیخ چلی کی حکایت	۲۶
۲۱	خیالی ترقی کی مثال	۲۷
۲۲	اصل کارآمد عمل ہے	۲۸

۲۳.....	اصلاح کی ضرورت پر نصوص موجود ہیں.....	۲۸
۲۴.....	ہر چیز کی صورت وحقیقت.....	۳۰
۲۵.....	راحت کا ذریعہ صرف ذکر اللہ ہے.....	۳۱
۲۶.....	اس کا امتحان کہ ذکر اللہ ہی ذریعۂ راحت ہے.....	۳۱
۲۷.....	حیات طیبہ کی حقیقت.....	۳۲
۲۸.....	اہل اللہ کے پُر جوش الفاظ.....	۳۳
۲۹.....	کیا اہل اللہ بے حس یا اہل تصنع ہیں؟.....	۳۳
۳۰.....	اہل للہ میں تصنع نہیں ہوتا.....	۳۴
۳۱.....	اہل اللہ ہی کی زندگی پُر لطف ہوتی ہے.....	۳۵
۳۲.....	ظاہر کی ضرورت کی ایک زبردست مثال.....	۳۶
۳۳.....	امر بالمعروف کا مؤثر طریقہ.....	۳۸
۳۴.....	ظاہر ہمیشہ تابع باطن کے ہوتا ہے.....	۳۹
۳۵.....	محبت کی خاصیت.....	۳۹
۳۶.....	آثار محبت.....	۴۰
۳۷.....	آثار عشق حقیقی.....	۴۰
۳۸.....	دعویٰ محبت.....	۴۱
۳۹.....	حقیقت ذکر.....	۴۲
۴۰.....	جملہ عبادات ظاہر وباطن کی جامع ہیں.....	۴۲
۴۱.....	ظاہر کو فضول سمجھنا خطرناک ہے.....	۴۳
۴۲.....	جاہل فقراء کے معتقدوں کا حال.....	۴۴
۴۳.....	باطن کا حال معلوم کرنے کا طریقہ.....	۴۵
۴۴.....	عارفین کا وجود بہت بڑی نعمت ہے.....	۴۵
۴۵.....	وعظ کا نام.....	۴۶
۴۶.....	حقیقت عبادت.....	۴۷
۴۷.....	اخبار الجامعہ.....	۴۹

ماہ مارچ 2024ء کے وعظ کا آخری عنوان (آزادی کے نتائج) تھا۔

دور بے باکی

اس بے باکی پر یاد آ گیا کہ یہ حالت ہے کہ ایک اکھڑ قوم کے ایک شاہ صاحب تھے اور جنگل میں رہتے تھے ان کے ایک معتقد کسی مجمع میں ان کی تعریف کرنے لگے کہ ایسے بزرگ ہیں ایک ظریف بولا کہ جناب اس قوم کا آدمی تو بزرگ نہیں ہوسکتا اگر وہ اس قوم کے ہیں تب تو شاہ صاحب نہیں ہیں اور اگر شاہ صاحب ہیں تو اس قوم کے نہ ہوں گے لوگوں نے کہا واہ تم ایسا ہی کہا کرتے ہو کہا چلو میں دکھلا دوں۔

چنانچہ ان کے پاس جنگل میں گئے اور بڑے تپاک سے اور معتقد بن کر ملے اثناء گفتگو میں عرض کیا کہ حضور نے قیام ایسی جگہ کیا ہے جہاں بہت قسم کے خطرے ہیں جنگل ہے درندوں کی جگہ ہے، یہاں تو بڑا ڈر لگتا ہوگا تو شاہ صاحب جوش میں آ کر فرماتے ہیں کہ میں درندوں سے تو کیا ڈرتا میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں۔ پس وہ شخص کھڑے ہو گئے اور کہا دیکھ لی شاہ صاحب کی بزرگی، ایک شاہ صاحب کے پاس لوگ دعاء کرانے کے لیے گئے بارش کی یا اور کہیں کی، ضرورت تھی تو شاہ صاحب فرماتے ہیں مجھ سے دعاء نہ کراؤ میری اور اس کی تو لڑائی ہے دیکھو میرے باپ کو مار دیا میری ماں کو مار دیا۔

آج کل کی درویشی

یہ آج کل کی درویشی ہے اور لوگ ان واہیات بکواسوں کو کہتے ہیں اسرار ہیں خدا جانے فقیر کیا ڈالتا ہے کیا نکالتا ہے یہ اسرار نہیں اشرار ہیں۔ ایک اور صاحب کا قصہ ہے یہ ابھی زندہ موجود ہیں ایک روز فرماتے ہیں کہ آج اللہ میاں کی ناک دکھ رہی ہے کسی نے کہا توبہ کرو تو کیا فرماتے ہیں کہ دیکھو سب چیز اللہ میاں کی ہے تو میری ناک بھی اللہ میاں کی ہے اور وہ دکھ رہی ہے خدا بچاوے جہالت سے یہ درویشی رہ گئی ہے۔

ایک صاحب نے سورہ والضحیٰ واللیل اذا سجٰی (صحیح ترجمہ قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے) کا ترجمہ کیا کہ اے نفس تیری یہی سجا (سزا) ایک فقیر صاحب ہمارے ماموں صاحب سے پوچھتے ہیں بتاؤ محمد بڑے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) یا رزق بڑا ہے ماموں صاحب نے کہا کہ اول تو اس خصوصیت سے یہ

کوئی ضروری مسئلہ دینی نہیں لیکن تاہم ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا مرتبہ بڑا ہے آپ فرماتے ہیں نہیں رزق کا مرتبہ بڑا ہے اور دلیل یہ ارشاد فرمائی کہ دیکھو اذان میں کہا جاتا ہے اشھدان محمدالرسول اللہ اس کو ختکا(۱) گھما کر بڑے زور سے ادا کیا اشھدان اور کہا دیکھو اس میں ان مقدم ہے (ان بمعنی ناج) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لہٰذا رتبہ رزق کا زیادہ ہوا۔

آج کل کے شاہ صاحبوں کے حال

یہ تو علوم ہیں آج کل کے شاہ صاحبوں کے اور اعمال یہ ہیں کہ ایک صاحب فتح پور بارہ بنکی کے علاقہ کے قصہ کہتے تھے کہ ایک بزرگ کے سامنے ایک عورت نے جو کہ ان کی مریدنی تھی گایا، آپ ایسی مستی میں آئے کہ عین سماع میں اس کو کوٹھری میں لے گئے اور منہ کالا کیا اور نکل کر فرماتے ہیں جب آ گیا جوس نہ رہا ہوس (سین مہملہ سے) بس یہ عذر معتقدین کے نزدیک کافی ہو گیا اور کسی کے اعتقاد میں بھی فرق نہ آیا بلکہ اس کو شاہ صاحب کا کمال سمجھا ہوگا کہ اس قدر شورش عشق ہے کہ ہوش نہیں رہتا اس قدر بے ہودگیاں ہوتی ہیں اور لوگ پھر بھی ایسوں کے معتقد ہیں یہ تاویل تو ایسی ہی ہے جیسے گوالیار کا قصہ میرے ایک عزیز بیان کرتے تھے کہ ایک بت پر ایک بت پرست نے پانی چڑھایا، جب وہ چلا گیا تو ایک کتا ٹانگ اٹھا کر اسی بت پر موتنے لگا انہوں نے اس کو بلا کر دکھایا کہ دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میاں یہ بھی پانی دے رہا ہے۔

ایک مقام پر ایک شاہ صاحب کا یہ طرز عمل تھا کہ مرید اور مریدنیاں سب جمع ہیں جس مریدنی کو جی چاہا پیار کر لیا اور اس پر ان کے مرد کہتے ہیں اب تو پیر کا منہ تمہارے منہ کو لگ گیا اب ہم منہ لگانے کے قابل نہیں ہیں۔

گردن زدنی ہیں یہ مشائخ اور یہ لوگ دیوث ہیں میرے ماموں صاحب ایک ایسی ہی جگہ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ وہاں کے فقراء تو دوزخی ہیں اور امراء جنتی ہیں، کیونکہ فقراء تو یہ حرکات نفس پرستی کے لیے کرتے ہیں اور امراء خدا پرستی کے لیے ایسوں کے بھی معتقد ہیں۔

آج کل کی درویشی کا معیار

غرض یہ کیفیت ہے آج کل درویشوں کی، یہ کیا اہل باطن ہیں آج کل تو

(۱) ڈنڈا

درویشی کا معیار یہ ہے کہ جتنا کوئی شریعت سے دور ہے اتنا ہی بڑا فقیر ہے یہ لوگ ملامتی بنتے ہیں ان لوگوں نے ملامتی کے معنی یہ لیے ہیں جو ایسا کام کرے جس پر ملامت کی جاوے خواہ وہ گناہ ہی ہو حالانکہ یہ سراسر غلطی ہے، اصل یہ ہے کہ ملامتی ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی اہل فن کے نزدیک یہ ہیں کہ جو شخص اعمال نافلہ کو چھپا کر کرے، اور طاعت نافلہ کی وہ صورت اختیار کرے جس سے پتہ نہ چلے کہ اس نے طاعت کی نہ یہ کہ گناہ کرے یعنی طاعت کو ایسی طرح کرے کہ ظاہر میں گناہ معلوم ہوتا ہو جیسے آج کل لوگوں نے اختیار کیا ہے یہ تعریف عوارف المعارف میں موجود ہے اور بعض لوگ ملامتی کے معنی وضع بری بنانے کے لیتے ہیں، یعنی ایسی وضع بنانا جس سے لوگوں کی نظروں سے گر جاوے اور اس کی طرف نگاہیں نہ اٹھیں بزرگوں نے ہضم نفس (۱) کے واسطے ایسا کیا ہے، لیکن آج کل اگر کوئی ایسا کرنا چاہے تو یہ دیکھے کہ ایسی وضع کون سی ہے سو یہ وضع آج کل مولویانہ وضع ہے اس سے دنیاداروں کو آج کل پوری نفرت ہوتی ہے اور اس وضع کی طرف نگاہیں نہیں اٹھتیں بلکہ اس سے اور بھی شان مٹ جاتی ہے عام لوگ ان کو درویشی سے بالکل ہی ناواقف سمجھتے ہیں پس آج کل جس کو ملامتی بننا ہو وہ یہ وضع اختیار کرے تو جو دوریش ملامتی بنتے ہیں چاہئے گیروا کپڑے چھوڑ کر مولویوں کی سی صورت بنادیں باقی ڈاڑھی منڈا کر اور چہار ابرو (۲) کا صفایا کرا کر تو آج کل آدمی ملامتی نہیں بنتا بلکہ اس کی طرف عام نظریں اٹھتی ہیں کہتے ہیں قلندر ہیں اور صاحب سکر ہیں اور مست ہیں اور اس کے ساتھ اگر ذرا حرف شناس (۳) بھی ہوئے اور آیتوں میں واہی تباہی نکات بیان کرنا شروع کر دیئے تب تو کیا کہنا ہے عارف بھی ہو گئے اور نکات بھی ان کے عجیب ہی ہوتے ہیں۔

ایک درویش پڑھے لکھے تھے انہوں حٰمٓ عسق کی تفسیر میں یہ نکات بیان کئے کہ حٰمٓ مخفف ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور عسق اشارہ ہے عشق کی طرف چونکہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اُمی تھے اس واسطے شین کی جگہ سین لایا گیا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب عشق ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے گئے ہیں سبحان اللہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اسہد سین (۴) کے ساتھ تو سنا تھا گو وہ بھی بالکل بے اصل ہے ان بزرگوار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شین نکال سکنے سے عاری ثابت کر دیا حالانکہ شین عربی حرف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان کا حرف

(۱) نفس کی خواہشات مٹانے کے لیے (۲) آنکھوں کی بھنویں پلکیں مونڈ کر (۳) اگر ترجمہ بھی جانتے ہوں تو (۴) لوگوں میں یہ بات غلط مشہور ہے کہ حضرت بلالؓ اذان میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ میں شین کی جگہ سین پڑھتے تھے۔

ہے اس کے ادا پر قادر نہ ہونے کے کیا معنی اور حضور ﷺ تو افصح العرب والعجم ہیں جب شین بھی حضور ﷺ سے نہیں نکلتا تو فصاحت کہاں رہی اور شین حضور ﷺ سے نہ نکلتا تو سارے قرآن میں نہ نکلتا یہ کیا خرافات ہیں اور ان لغویات کے جواب کوئی کہاں تک دے۔

شہرت کی ترکیبیں

یہ لکھے پڑھے درویشوں کا حال ہے درویشی اس کا نام ہے اور تصوف کی یہ گت بنائی گئی ہے کیا ملغوبہ (۱) ہے ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے آج کل درویشی دو پیسہ میں آتی ہے ایک پیسہ کا گیروا لیا اور ایک پیسہ کی تسبیح گیروا کپڑے پہن لیے اور تسبیح گھمانی شروع کی اور درویشی حاصل ہوئی اور اگر زندگی میں بھی ولی نہ ہوئے تو مرنے کے بعد ولی بنا دینا طوائف کے قبضہ میں ہے جس کی قبر پر ایک بار مجرا کرلیا وہ ولی ہوگیا۔

صاحبو! یہ ترکیبیں درویشی کی نہیں ہیں یہ تو شہرت کی ترکیبیں ہیں حضرت وہاں تو لوہے کے چنے ہیں وہاں تو اپنے آپ کو مٹانا اس کے لیے تو بڑے دھکے کھانا پڑتے ہیں ایک ظریف سیاح درویش کی حکایت ہے (یہ پیران کلیر کا ذکر ہے) کہ ان کے پاس ایک خاں صاحب طالب کیمیا آئے یہ منحوس لوگ خوش عقیدہ بہت ہوتے ہیں کسی نے ان کی نسبت کہہ دیا تھا کہ یہ کیمیا جانتے ہیں پس آئے اور آتے ہی پوچھا کہ آپ کو کیمیا آتی ہے انہوں نے کہا آتی ہے کہنے لگے ہم کو بھی بتلا دو انہوں نے کہا نہیں بتلاتے کہنے لگے کیوں؟ انہوں نے کہا خوشی ہماری کیا ہم تمہارے باوا کے نوکر ہیں۔ اس سخت جواب کو سن کر ڈھیلے ہوئے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے امراء ویسے تو کسی سے بھی سیدھی بات بھی نہیں کرتے مگر ایسے آدمی سے ٹھیک ہو جاتے ہیں لگے خوشامد کرنے انہوں نے کہا میاں پاگل ہوئے ہو کیمیا کہیں یوں آتی ہے جس طرح ہم نے سیکھی ہے اسی طرح تم بھی سیکھو خدمتیں کرو ساتھ رہو کبھی دل میں آوے گا تو بتادیں گے یہ خاموش ہوئے کھانے کا وقت آیا ان سیاح صاحب نے ایک درخت کی پتیاں ابال کر ان کے سامنے رکھیں یہ رئیس آدمی پلاؤ قورمہ کے کھانے والے ان کے منہ میں وہ کیا چلتیں بہت پریشان ہوئے کہا بھائی ابھی تو کیمیا کی پہلی ہی منزل ہے ابھی سے ناک منہ چڑھانے لگے تو تم سے کیا ہونا ہے جاؤ کام کرو کیا خبط سوجھا ہے۔

(۱) کمپچر۔

کیمیائے باطن

حضرت یہ کیمیا ظاہری ہے جس کا حاصل اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ سونا چاندی حاصل ہوجاوے جب اس کے لیے یہ مصیبتیں اٹھانا پڑتی ہیں تو کیمیائے باطن کے لیے تو کیا کچھ ہونا چاہئے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا مل جاوے وہاں تو یہ کرنا ہوگا۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں　　شرط اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی (۱)

اوراس راستہ میں وہ گتیں بنیں گی کہ گھبرا گھبرا کر یہ کہنا ہوگا۔

الایا ایہا الساقی ادر کاساً ونا ولہا　　کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا (۲)

مگر باوجود اس کے کہ مشکلیں بہت پیش آویں گی پھر بھی اس میں ایک خاصیت عجیب یہ ہے کہ ان مشکلوں کو آدمی گراں بھی نہیں سمجھے گا، بلکہ خوش ہوگا اور کہے گا۔

خوشا وقت شورید گان غمش　　کہ گر ریش بینند و گر مرہمش

دما دم شاب الم در کشند　　وگر تلخ بینند دم درکشند (۳)

راہ سلوک کی حقیقت

اور اس راہ میں حالت یہ ہوگی کہ گھر جائے بار جائے دولت جائے امیر سے فقیر بن جائے مگر ہٹ نہیں سکتا بلکہ خود گھر بار اور مال ودولت ہی سے نفرت ہوجاوے گی۔

گدایا نے از بادشاہی نفور　　بامیدش اندر گدائی صبور (۴)

اس اپنی ٹوٹی ہوئی حالت میں ان کو وہ لذت ہے کہ سلطنت میں بھی نہ ہوگی چنانچہ بعض بندگان خدا نے سلطنت چھوڑ کر اس طریق کو اختیار کیا اور کبھی اس کی طرف نظر بھی پھر نہیں اٹھائی کوئی بات تو ایسی پائی جس کے سامنے سلطنت کوئی چیز نہیں غرض یہ حالت ہے اس راستہ کی اسی واسطے مشورہ دیتے ہیں۔

---

(۱) ''لیلیٰ (محبوب) کی منزل میں جان کو سینکڑوں خطرے ہیں پہلی شرط اس راہ کے لیے مجنون بن جانا ہے''
(۲) ''اے ساقی (مرشد) شراب محبت کے جام کا دور شروع کیجئے اور اس کو دیجئے کہ شروع میں عشق آسان معلوم ہوا لیکن پھر بہت مشکلات پیش آئیں'' (۳) ''اس کے غم میں پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے خواہ اپنے زخموں کو دیکھیں یا ان زخموں کے مرہم کو دم بدم غم کی شراب پیتے ہیں اگر تلخی پاتے ہیں خاموش ہوجاتے ہیں'' (۴) ''وہ لوگ ایسے فقیر ہیں جن کو بادشاہی سے نفرت ہے اور اس کی امید میں گدائی پر صبر کئے ہوئے ہیں''

اگر مرد عشقی گم خویش گیر　　وگرنہ رہ عافیت پیش گیر(۱)

یہ قضیہ شرطیہ ہے معنی یہ ہیں کہ اگر اس راہ میں قدم رکھنا ہے تو سمجھ لو کہ مٹنا پڑے گا اگر اس کے لیے پکے نہیں ہو تو اس سے الگ ہی رہو اور طریق عافیت اختیار کرو اور اس جھگڑے میں مت پڑو مگر ان دونوں میں سے یعنی راہ عشق اور راہ عافیت میں اختیار کس کو کرنا چاہئے اس کی سبت پھر خود یہ مشورہ دیتے ہیں۔

مترس از محبت کہ خاکت کند　　کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند

یعنی اس راہ میں خاک تو ہونا پڑے گا مگر ہمت نہ ہارنا چاہئے اور قدم رکھنا ہی چاہے کیونکہ انجام اس کا بقا ہے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ یہ راہ آسان نہیں ہے اور گو نتیجہ اور ثمرہ اس کا ایسا ہے کہ اس کی امید میں آدمی ان سب مشکلوں کو جھیلنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے مگر تاہم مشکلیں پیش ضرور آتی ہیں قدم قدم پر مصیبت اور آفت کا سامنا ہوتا ہے علمی غلطیاں ہوتی ہیں اور حالی غلطیاں ہوتی ہیں اس راہ کی تو بالکل حالت یہ ہے۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں

یہ راہ واقعی پر خار ہے بہت سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے اور بڑ سنبھلنا یہ ہے کہ اس کو اکیلے قطع نہ کرے دوسرے کی رہبری کی ضرورت ہے ورنہ بھٹکتا ہی پھرے گا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

یار باید راہ را تنہا مرو　　بے قلاوز اندریں صحرا مرو

ہر کہ تنہا نادر ایں راہ را برید　　ہم بعون ہمت مرداں رسید(۲)

یہ حقیقت ہے اس راہ کی جس کی ہوا بھی ان مدعیوں کو نہیں لگی جب تو ایسی مہمل باتیں بناتے ہیں کہیں نماز اڑا دی کہیں روزہ حذف کر دیا اور نام باطن کا یہ تو اس باطن کا بیان تھا جس کو فقراء نے اعمال شرعی میں تجویز کیا ہے۔

---

(۱) اگر عاشق ہے تو محبت کے عشق میں اپنے آپ کو فنا کر ورنہ اپنی آسائش کی رہ اختیار کر' (۲) ''بغیر رہبر اور مرشد کے جس نے اس راہ میں قدم رکھا وہ ساری عمر اس میں گم ہو کر رہ گیا اور کامیاب نہ ہوا راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے اس میں تنہا قدم نہ رکھو اتفاقاً جس شخص نے اس راہ سلوک کو اکیلے خود طے کیا ہے وہ بھی اللہ والوں کی توجہ سے کیا ہے''۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات کے نئے خیالات

اور ایک باطن وہ ہے جو امراء نے تجویز کیا ہے میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ یہاں امراء سے مراد نئے تعلیم یافتہ اصحاب ہیں اور پرانے امراء اول تو اس خیال کے نہ تھے کہ دین میں اختراع (۱) کریں، اگر گناہ کرتے تھے تو اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے تھے، دین کو نہیں بگاڑتے تھے اور اگر کچھ لوگ ایسے تھے بھی تو وہ شاہ صاحبوں کے ہم خیال تھے، ان نئے تعلیم یافتہ اصحاب کے خیالات بھی نئے ہیں انہوں نے دین کا خلاصہ ایک نئے طریق سے کیا ہے، یہ دعویٰ تو ان میں اور فقراء میں دونوں میں مشترک ہے کہ دین کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور مقصود اعظم باطن ہے، ظاہر کی چنداں ضرورت نہیں اور آگے اس بات میں دونوں متمائز ہیں کہ وہ باطن کیا ہے، سو فقراء نے تو ہر عمل کا باطن الگ نکالا ہے نماز کا الگ روزہ کا الگ اور حج وزکوٰۃ کا الگ، جیسا کہ بیان کیا گیا اور ان امراء نے اس سے بھی زیادہ اختصار کیا، گویا ان کی صنعت بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے انہوں نے ست کا بھی ست نکالا، یہ مولویوں اور فقراء کو سب کو فضول سمجھتے ہیں، انہوں نے کل دین کا خلاصہ ایک ہی چیز نکالی ہے وہ کیا ہے تہذیب اخلاق، پس تمام اعمال تو دین کے لیے ظاہر ہیں اور باطن دین کا اور حقیقت اس کی تہذیب اخلاق ہے اور کھلے الفاظ میں کہتے ہیں کہ اٹھک بیٹھک اور مال کا خرچ کرنا اور پیٹ کاٹنا اور جس جس عمل کو عبادت کہا جاتا ہے، وہ سب بانی اسلام (علیہ السلام) نے صرف اسی واسطے تجویز فرمائی تھی، کہ تہذیب اخلاق حاصل ہو، ملک عرب وحشی ملک تھا اور وہاں بہیمیت بہت زیادہ تھی ان کی اصلاح بلا اس سخت گیری کے ہو نہیں سکتی تھی، اس واسطے یہ احکام تجویز کئے گئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے رفارمر تھے، ان کی اصلاح کے لیے ایسی صحیح تدبیریں تجویز فرمائیں کہ ان سے بہتر ہو ہی نہیں سکتی تھیں اور ہم کو وہ بات بدوں نماز روزہ کے حاصل ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود اصلی تھا یعنی تہذیب اخلاق کیونکہ ہم تعلیم یافتہ ہیں، بہیمیت (۲) عرب کی سی ہم میں نہیں ہے تو ہمارے واسطے اس سخت گیری کی کیا ضرورت ہے اور یہ بڑی نادانی ہے کہ متکلم کی اصل غرض کو نہ سمجھا جاوے اور صرف الفاظ پر رہا جاوے جیسا

(۱) نئی بات گھڑیں (۲) حیوانیت۔

کہ خشک مولوی کر رہے ہیں کیوں صاحب کیا دلیل ہے اس بات کی کہ تمام احکام سے مقصود اصلی حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صرف تہذیب اخلاق ہے کوئی دلیل اس پر ہونی چاہئے اور میں دور کی بات کہے دیتا ہوں کہ اول تو دلائل قطعیہ سے اس کا احتمال بھی منفی ہے لیکن بفرض محال اگر اس کا احتمال بھی ہو کہ شاید یہی مقصود ہو تو صرف احتمال پر اس دعوے کی بناء (۱) ہوئی، دلیل پر تو بنا نہ ہوئی تو کیوں صاحب ایک دین ہی آپ کے نزدیک ایسی چیز ہے جس میں اپنے مطلب کے لیے احتمال ہی بنا کر کے اس سے تسلی کر لی جاتی ہے کبھی دنیا کے بھی کسی کام کی بنا آپ یا کوئی عقل مند صرف احتمال پر کیا کرتا ہے، مثلاً ایک بہت بڑا مہاجن (۲) ہو جس کے یہاں بہت دولت ہو اور وہ مر جاوے تو آپ اس کے یہاں جا کر کہیں کہ اس میں سے مجھے بھی حصہ ملنا چاہئے کیونکہ میں اس کا بیٹا ہوں اور کوئی کہے کہ تم بیٹے کس طرح ہو تو جواب دیجئے کہ احتمال تو ہے کہ میں اس کا بیٹا ہوں اور جب احتمال ہے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میں بیٹا ہوں لہٰذا میراث ملنی چاہئے۔ کیوں صاحبو! کیا یہ بات چل جاوے گی اور کیا اس کو سن کر کوئی پاگل نہ کہے گا یا مثلاً جو آپ کا بیٹا ہے اس کو آپ میراث سے محروم کرنا چاہتے ہیں اس طرح کہ گو اس کو بیٹا کہا جاتا ہے مگر احتمال تو ہے کہ بیٹا نہ ہو لہٰذا اسی شق کو ترجیح دی جاتی ہے کہ بیٹا نہیں ہے اور میراث سے محروم ہونا چاہئے تو کیا یہ بات مان لی جاوے گی۔

دین کو غیر ضرورت سمجھنے کے نتائج

صاحبو! تعجب ہے کہ دنیا کے تو کسی معمولی کام کی بنا (۳) بھی احتمال پر نہیں کرتے اور دین کے بڑے بڑے کاموں میں ایسی جرأت کرتے ہیں اور تغیر تبدل کر ڈالتے ہیں دنیا میں تو یہ حالت ہے کہ احتمال کے موقع پر ہمیشہ احتیاط کا پہلو اختیار کیا جاتا ہے مثلاً کسی دوا میں شک ہو جاوے کہ یہ دوا فلانی ہے یا کوئی تیزاب ہے تو اس کو کوئی بھی نہیں پیئے گا بلکہ اسی کو پسند کریں گے کہ اس کو تلف کر دیا جائے گو کتنی ہی لاگت اس میں ضائع ہوئی ہو اور اس کو مکان میں بھی رکھنا گوارا نہ کریں گے اسی احتمال کی وجہ سے کہ کوئی پی نہ جاوے اور نقصان ہو جاوے یا اللہ کا دین ہی کیا ایسی سستی اور بے کار چیز ہے کہ اس کے بالکل سر پیر سے اڑا دینے کے لیے صرف احتمال کافی ہے تمام ارکان دین کو بدل ڈالا

(۱) بنیاد (۲) مالدار وڈیرہ (۳) بنیاد۔

صرف اس احتمال پر کہ شاید مقصود ان سب سے تہذیب اخلاق ہو اور لطف یہ ہے کہ یہ احتمال بھی مرجوح بلکہ غلط اور اپنا تراشا ہوا اور زبردستی کا احتمال ہے کیونکہ احتمال تو وہاں ہوسکتا ہے جہاں متکلم کی طرف سے کوئی بیان نہ ہو یہاں تو صاحب شرع کی طرف سے صاف صاف بیان موجود ہیں ہر ہر عبارت کی کیفیت اور اس کے کرنے کی ضرورت اور اس پر ثواب اور ترک پر وعیدیں بیان فرمائی ہیں پھر یہ احتمال بھی کہاں رہا کہ شاید مقصود تہذیب اخلاق ہی ہو، یہ تو کھلی ہوئی توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ (قائل کے قول کی ایسی توجیہ کرنا کہ قائل اس کو ناپسند کرتا ہے) ہے اور یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے ایک نوکر سے کہیں کہ انگور لے آؤ اور وہ آٹا لے آوے اور کہے کہ مقصود تو کھانے سے تغذیہ بدن ہوتا ہے وہ انگور میں اتنا نہیں ہے جتنا آٹے میں ہے کیا یہ حرکت اس کی نافرمانی نہیں ہے حالانکہ وہ ایک معقول وجہ بیان کرتا ہے مگر جواب میں اس کے یہی کہا جاوے گا کہ تو اپنی طرف سے غرض اور مقصود کو تراشنے والا کون ہے کیا دلیل ہے اس بات کی کہ اس وقت ہم کو مقصود تغذیہ بدن ہے، ممکن ہے کہ تفکہ مقصود ہو جس کے لیے انگور موضوع ہے نہ آٹا خصوصاً اگر یہ صورت ہو کہ کوئی قرینہ بھی ایسا موجود ہو جس سے اس پر کچھ دلالت ہوتی ہو کہ تغذیہ مقصود نہیں مثلاً کھانے کا وقت نہ ہو یا ابھی کھانا کھا چکے ہوں یا گھر میں کوئی بیمار موجود ہو جس کو طبیب نے انگور کھانے کے لیے کہا ہو تو اس صورت میں اس کا آٹا لے آنا اور زیادہ سخت بیوقوفی اور بدتمیزی بلکہ گستاخی اور تعنت (۱) سمجھا جاوے گا حالانکہ اس قرینہ کے رہتے ہوئے بھی وہ احتمال باقی ضرور رہتا ہے لیکن ایسے نوکر کو کان پکڑ کر نکال دیا جائے گا۔

امور دین میں عدم احتیاط

پس یہی قصہ دین کا سمجھو کہ جب دین میں قرائن (۲) اس بات کے موجود ہیں کہ خود اعمال بھی مقصود ہیں تو اپنی طرف سے ایک احتمال نکال کر ان کو بدلنا کیسے جائز ہوگا اور یہ قرائن اگر معمولی بھی ہوتے تب بھی اس اختراع (۳) کی گنجائش نہ تھی چہ جائیکہ تصریحات قولی (۴) موجود ہیں اس وقت میں تو اس اختراع کی مثال بالکل یہ ہوگی کہ نوکر سے کہیں کہ انگور لے آ اور وہ جواب میں کہے جی ہاں میں سمجھ گیا آپ کا مطلب یہ

(۱) ڈھٹائی (۲) دلائل (۳) اس بات کے گھڑنے (۴) صریح قول موجود ہے

ہے کہ انگور نہ لانا بلکہ آٹا لانا اے اللہ عقلیں کہاں چلی گئیں یا عقل اسی واسطے ہے کہ دنیا کے کام اس سے بنائے جائیں اور دین کا نام آتے ہی اس کو بالائے طاق رکھ دیا جاوے اور دین کے کاموں کو جان جان کر بگاڑا جاوے دنیا کے کاموں میں تو ذرا سا احتمال جو غیر ناشی عن دلیل (دلیل سے نہ پیدا ہونے والا) بھی ہو پیدا ہو جاوے تو احتیاط کا پہلو اختیار کیا جاوے اور دین کے کاموں میں ایک غلط احتمال اپنی طرف سے تراش کر اس پر عمل کر لیا جاوے۔

اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دین کو صرف ایک غیر ضروری چیز سمجھا ہے جس کا مقتضا(۱) یہ ہے کہ یوں کر لیا تو کیا اور یوں کر لیا تو کیا ورنہ اگر ذرا بھی وقعت دین کی قلب میں ہوتی اور اس کی کچھ بھی ضرورت سمجھی جاتی اور درجہ وہم میں بھی یہ بات ہوتی کہ قیامت آنے والی ہے اور باز پرس ہوگی اور وہاں ایسی ایسی ہولناک تکلیفیں اور عذاب ہیں تو اول تو یہ احتمال پیدا ہی نہ ہوتا اور پیدا بھی ہوتا تو پہلو احتیاط ہی کا اختیار کیا جاتا اور یوں کرتے کہ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اعمال کا یہ خاص باطن (یعنی تہذیب اخلاق) ہی مقصود ہو (گو یہ ان کا خود تراشیدہ ہے) مگر بہتر یہی ہے کہ احتیاط کا پہلو اختیار کیا جاوے اور ظاہر کو بھی ترک نہ کیا جاوے کیونکہ اگر وہ احتمال غلط نکلا تو قیامت میں کیا جواب ہوگا۔

دیکھئے مال گذاری کے داخل کرنے کو تحصیل میں جاتے ہیں اور فرض کیجئے کہ بیس روپے مال گذاری کے داخل کرنے ہیں لیکن اگر شک پڑ گیا کہ کچھ آنہ پائی اس رقم کے اوپر اور بھی ہیں تو اس صورت میں جیب میں پچیس ہی روپے ڈال کر چلیں گے اس خیال سے کہ کچھ تو کسر مال گذاری میں ہے جس کی مقدار معلوم نہیں اور شاید کوئی روپیہ کھوٹا بتا دیا جاوے یا عملہ والوں کو کوئی روپیہ حق ناحق کا دینا پڑے تو احتیاط یہی ہے کہ پانچ روپے زائد لے چلیں اگر خرچ نہ ہوئے تو واپس آجاویں گے اور اگر نہ لے چلے اور وہاں کمی پڑ گئی تو ذرا سی بات کے لیے آبرو پر بن(۲) جاوے گی ایسے موقعوں پر دنیا میں بیوقوف سے بیوقوف بھی احتیاط ہی کا پہلو اختیار کرتا ہے پھر تعجب ہے کہ دین میں وہ لوگ بھی جو اہل عقل ہونے کے اور تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کے مدعی ہیں احتیاط کا پہلو اختیار نہیں کرتے بلکہ ایک من گھڑت احتمال پر قطعی حکم کر دیتے ہیں اور ایسے بے فکر ہو جاتے ہیں کہ دوسری جانب کا (جو درحقیقت راجح اور یقینی ہے اور اس کے مقابلہ میں یہ محتمل جانب مرجوح

(۱) نتیجہ یہ ہے (۲) بے عزتی ہوگی۔

بلکہ غلط ہے) ان کو احتمال ہی نہیں ہوتا اس کی وجہ صرف دین کا غیر ضروری سمجھنا ہے۔

بس اس کا آخر جواب ہمارے پاس یہی ہے کہ آنکھ مچنے (۱) پر معلوم ہوجاوے گا کہ کس دھوکہ میں رہے اور اس وقت اس کا تدارک (۲) کچھ بھی نہ ہوسکے گا غرض اس امراء کے فرقہ نے بھی دین کا ایک ست (۳) نکالا ہے اور یہ ست اس ست سے بڑھا ہوا ہے جو فقراء نے نکالا تھا کیونکہ فقراء نے جوست نکالا ہے وہ ایک دین کی چیز تو ہے اور انہوں نے ست بھی دنیا ہی کی ایک منفعت نکالی پس وہ ست تھا اور یہ روح ہے آج کل ہر چیز کی روح نکالی گئی ہے گلاب کی روح ہے، چمبیلی کی روح ہے، خس کی روح ہے انہوں نے یہ دین کی روح نکالی ہے (روح کیا نکالی کہ دین کی روح ہی نکال دی) تمام دین کی روح ایک ذراسی نکال لی جس کا نام تہذیب اخلاق رکھا ہے اس کو (اور وہ بھی اپنے ہی نزدیک) حاصل کرلیا ہے بس اب کسی عمل کی ضرورت نہیں اگر کوئی عمل کبھی کیا تو دنیا کے فائدہ کے لیے مثلاً نماز پڑھی تو اس فائدہ کی بنا پر کہ ان حرکات سے جسم کی ریاضت ہوجاتی ہے اس واسطے کبھی اٹھک بیٹھک کرلیتے ہیں اور اگر کبھی اور طرح ریاضت ہوگئی مثلاً گھوڑے کی سواری کرلی یا کرکٹ اور فٹ بال کھیل لی تو اب ریاضت کی ضرورت نہیں رہی بس نماز حذف۔

نئے خیالات

یا ایک نماز کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے واسطے وضو کیا جاتا ہے جس سے صفائی ستھرائی ہوجاتی ہے اور صفائی اچھی چیز ہے اور تہذیب میں داخل ہے اور اگر صبح اٹھ کر غسل کرلیا یا صابن سے منہ ہاتھ دھولیا ہے اور بنگلے اور کوٹھیوں میں رہتے ہیں گردوغبار کا وہاں دخل نہیں ہے تو اس صورت میں نماز کے واسطے وضو کی کیا ضرورت ہے چنانچہ ایک صاحب ایسا ہی کرتے تھے کہ بے وضو نماز پڑھ لیتے تھے اور اگر کسی نے کہا کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی تو کہتے یہ دقیانوسی مولویوں کے خیالات ہیں یہ لوگ غور نہیں کرتے اور دین کی تہہ کو نہیں پہنچتے عرب میں جب اسلام شروع ہوا تو افلاس بہت تھا لوگ محنت مزدوری سے پیٹ بھرتے تھے اور میلے کچیلے رہتے تھے اس واسطے اس وقت کے لیے بانی اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے یہ قید لگادی تھی کہ جب نماز پڑھو تو منہ ہاتھ دھولیا کرو اب

(۱) آنکھ بند ہونے پر یعنی مرتے ہی پتہ لگ جائے گا (۲) سدباب (۳) جوہر۔

زمانہ وہ نہیں ہے اب مال کی افراط ہے محنت مزدوری کی ضرورت نہیں ہم آئینہ دار بنگلوں میں رہتے ہیں روز صبح کو صابن مل کر غسل کرتے ہیں گرد و غبار کا یہاں تک گزر نہیں بتاؤ ہمارے بدن پر کیا لگ رہا ہے جس کے واسطے بار بار دھوویں (کوئی پوچھے کہ ہر روز صبح کو کیا لگ جاتا ہے جس کے واسطے روز نہاتے ہو مگر یہ کام تو استاد نے بتایا ہے جس کے حکم میں چون و چرا کی گنجائش نہیں یعنی فیشن نے)۔ خود یہ بات بھی نہایت تعجب خیز ہے(۱) کہ عرب عموماً میلے کچیلے رہتے تھے یہ تاریخی بات ہے ان کے یہاں تاریخ کو بڑا دخل ہے اور اس پر بڑی جلدی ایمان لاتے ہیں تاریخ میں یہ مل گیا کہ عرب میں افلاس تھا آگے عموم اپنی رائے سے تجویز کر لیا کیا تاریخ میں کہیں یہ بھی ہے کہ اہل عرب سب ایسے ہی غریب اور مفلس تھے کیا ان میں متنعم اور صاحب ثروت نہ تھے عرب میں تو وہ لوگ بھی تھے جن کے یہاں سو سو غلام تھے تو اگر وضو کی بناء غربت اور افلاس پر تھی تو ان لوگوں کو تو مستثنیٰ کر دیا جاتا اور صرف غریبوں کے لیے وضو کا حکم ہوتا نیز صحابہؓ کے حالات ابتداء میں بے شک ایسے ہی تھے مگر پھر حق تعالیٰ نے فتوحات دیئے اور والی ملک ہوئے اور یہ حالت تھی کہ بدن پر بجائے عطر کے مشک ملا کرتے تھے مگر تاریخ میں کہیں ہے کہ انہوں نے وضو کرنا چھوڑ دیا تھا بس زمانہ آزادی کا ہے جو چاہو کرو جو چاہو کہو کوئی پوچھنے والا نہیں چنانچہ وہ صاحب پانچوں وقت نماز بے وضو اڑاتے (۲) تھے۔

صلح کل

ایک صاحب نے اور زیادہ ترقی کی کہ نماز بھی ندارد (۳) کر دی کیونکہ مقصود بدوں اس کے حاصل تھا یعنی ریاضت (۴) جیسے گھوڑے کی سواری وغیرہ ایک اور صاحب کا قصہ ہے کہ وہ ایک جگہ مدعو تھے اور بڑے معزز شخص تھے ان کے ساتھ اور بہت سے اشخاص بھی مدعو تھے گویا تمام جلسہ انہی کی وجہ سے مدعو تھا اور سالار (۵) قافلہ یہی تھے نماز کا وقت ہوا تو سب لوگ اٹھے مگر یہ نہ اٹھے کسی نے کہا آپ بھی نماز کو چلیں تو کہا میں نماز کو لغو (۶) سمجھتا ہوں لوگوں نے کہا جناب نماز تو اسلام کی چیز ہے آپ ایسا کیوں کہتے ہیں تو آپ جواب میں (توبہ توبہ) کیا کہتے ہیں کہ میں اسلام ہی کو لغو سمجھتا ہوں۔

(۱) قابل تعجب ہے (۲) بے وضوء پڑھتے تھے (۳) نماز ہی غائب کر دی (۴) ورزش (۵) مہمان خصوصی (۶) بیکار۔

صاحبو! یہ نوبت ہے ان لوگوں کی جو سربرآوردہ(۱) کہلاتے ہیں اور جن کی عزت کو لوگ اسلام کی عزت سمجھتے ہیں اس پر اگر کوئی مولوی کچھ کہے تو کہا جاتا ہے کہ مولویوں کو تو بس فتویٰ لگانا آتا ہے مسلمانوں کے کسی ایک فرد کو تو مشکل سے ترقی ہوتی ہے اسی کے یہ لوگ پیچھے پڑ جاتے ہیں بس ترقی قومی دیکھ ہی نہیں سکتے۔

صاحبو! کیا یہ اسلامی ترقی ہے اب سنئے کہ اس شخص کے لیے اہل جلسہ میں سے بعض لوگوں نے یہ تجویز کیا کہ اس شخص نے ایسا بے ہودہ کلمہ بکا ہے اس واسطے اس سے بائیکاٹ کرنا چاہئے اور اس سے قطع تعلق کر دینا چاہئے تو دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ہم کیوں اختلاف ڈالیں اس نے اللہ میاں کی شان میں گستاخی کی ہے اللہ میاں آپ نپٹ لیں گے سبحان اللہ یہ صاحب صلح کل ہوں گے مگر کیا صلح کل (۲) ہے ذرا سلطنت کے باغی سے تو دوستی کر کے دیکھو دیکھیں صلح کل کے مذاق کو کیسا نباہتے ہو مگر یہاں اہل جلسہ کو بھی تامل ہے کہ ایسے بے ہودہ سے بائیکاٹ بھی کرنا چاہئے یا نہیں افسوس روڑکی میں ایک کمیٹی ہوئی تھی جس میں اس پر بحث تھی کہ نکاح کی پچر (۳) کیوں لگائی گئی ہے نکاح کی روح اور حقیقت تو تراضی (۴) ہے جہاں تراضی پائی جاوے نکاح ہی کا حکم ہونا چاہئے عورت و مرد کا ایک کے ساتھ مقید ہوجانا سمجھ میں نہیں آیا ہاں جبر نہیں چاہئے رضامندی سے کسی مرد اور کسی عورت کے مل جانے میں کیا حرج ہے مگر یہ کیا ضرور ہے ایک بیوی اور ایک میاں ہو یہ مسلمانوں میں کمیٹی ہوئی تھی اس سے بڑھ کر ایک اور لطیفہ ہے (لطیفہ کیا ہے کثیفہ ہے) لکھنؤ میں ایک محلّہ ہے خیالی گنج وہاں کے ایک صاحب مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے ایک روز ذرا دیر میں آئے تو پوچھنے پر بیان کیا کہ آج وہاں ایک کمیٹی ہوئی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی کہ مسلمانوں کے تنزل کی اصل وجہ کیا ہے بہت گفتگو کے بعد جو اخیر بات طے ہوئی وہ یہ ہے کہ ان کا اصلی اور اخیر سبب تنزل کا اسلام ہے جب تک اس کو نہیں چھوڑا جاوے گا ترقی نہیں ہوگی اور یہ بات پاس ہوگئی لعنت ہے اس پاس ہونے پر اے صاحبو! خیال تو فرمایئے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے پھر اس پر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں کہ ٹھیٹ مسلمان ہیں ٹھیٹ نہیں بلکہ تمہارے اسلام کی آنکھ میں ٹینٹ (۵) نکل آیا ہے جس

(۱) جو بڑے سمجھے جاتے ہیں (۲) ہر ایک سے صلح کرنے کے قائل ہوں گے (۳) قید (۴) رضامندی طرفین (۵) آنکھ میں پھولا نکل آیا۔

نے بالکل بے کار کر دیا(۱) اور جس کا علاج سوائے نشتر (۲) کے کچھ نہیں اور نشتر (۳) بھی کون سا نائی کا پھر وہ نشتر نہیں جس سے آنکھ بن جائے بلکہ وہ جس سے اور پھوٹ جاوے اور کاٹ کر نکال ڈالی جائے کیونکہ اس میں قابلیت ہی بننے کی نہیں ہے۔

صریح کفر

یہ تو نوبت ہے اگر اس پر کوئی حکم شرعی سنایا جاوے تو کہتے ہیں کہ بس مولویوں کو فتویٰ لگانا آتا ہے اور غصہ ان کی ناک پر رکھا ہوتا ہے اور ذرا میں برامان جاتے ہیں اگر انکی ماں کو کوئی گالی دے تب دیکھیں یہ برا نہیں مانتے اور اس شخص سے ان کی دوستی قائم رہتی ہے یا نہیں اس وقت تو یہ بھی ایسا خشک برتاؤ کریں گے کہ مولوی بھی مخالف کے ساتھ ایسا نہ کریں بات یہ ہے کہ جس سے جس کو تعلق ہوتا ہے اس کو برا کہنے سے غصہ آتا ہے سو آپ کو اپنی ماں سے تعلق ہے اس واسطے ماں کو گالی دینے سے غصہ آ گیا اور ایسا ہونا ہی چاہئے اگر ایسا نہ ہو تو فطرت سلیمہ کے خلاف ہے اور ہم کو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تعلق ہے۔ اس لیے جب ہمارے اللہ اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاویں گی تو ہم کو کیسے غصہ نہ آوے گا اور کیوں ہم برا نہ مانیں گے اور کس طرح ایسے بے ہودہ سے دوستی رکھیں گے۔

ایک اور ایل ایل بی صاحب کا قصہ ہے (اتنا بڑا تو پاس کیا مگر بی (۴) ہی رہے) کہ انہوں نے مجمع میں کہا کہ رسالت صرف ایک مذہبی خیال ہے جو بضرورت مذہب مان لیا جاتا ہے ورنہ واقع میں اس کی کوئی اصل نہیں اور لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی پھر فرماتے ہیں کہ کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی توہین کرتا ہوں ایسا نہیں بلکہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب کو کہ آپ بڑے رفارمر تھے اور آپ نے بڑی اصلاح کی لیکن رسالت صرف ایک مذہبی خیال ہے۔

کیوں صاحبو! کیا ان پر بھی کوئی فتویٰ نہیں لگانا چاہئے کیا یہ صریح کفر نہیں ہے افسوس یہ ہے کہ ان کے تحت میں ایک مسلمان دیندار لڑکی ہے اور جھڑا جھڑ (۵) بچے

(۱) جس کی وجہ سے نظر آنا بند ہو گیا (۲) اس کا علاج آپریشن کے سوا کچھ نہیں (۳) زخم چیرنے کا آلہ (۴) مگر سوچ عورتوں ہی کی رہی (۵) یکے بعد دیگرے۔

ہورہے ہیں اگر لڑکی کے گھر والوں سے کہیں کہ یہ نکاح باقی نہیں اور لڑکی کو اس سے الگ کرلینا چاہئے تو ابھی ناصح پر تلوار کھینچ لی جاوے کہ ہم کو گالی دیتے ہیں صاحبو آج کل تو اس کی بھی ضرورت ہے اور میں بطور نصیحت اور خیر خواہی کہتا ہوں کہ جہاں دولہا کی صحت اور نسب اور حیثیت وغیرہ دیکھتے ہو اللہ کے واسطے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس کا اسلام بھی دیکھ لیا کرو وہ زمانہ گیا کہ دولہا کے صرف افعال دیکھے جاتے تھے کہ نمازی اور پرہیزگار بھی ہے یا نہیں اب تو وہ زمانہ ہے کہ اگر یہی دیکھ لیا کرو تو بہت ہے کہ وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں اور لڑکی مسلمان کے گھر جارہی ہے یا کافر کے گھر، آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے آزاد ہوئے ہیں کہ بہت سوں کا ایمان اور اسلام ہی باقی نہیں۔ یقیناً کافر ہیں ان سے نکاح صحیح ہو ہی نہیں سکتا ان کو بیٹی دینے سے چکلے (۱) میں بٹھا دینا بہتر ہے کیوں نام نکاح کا کیا بعضوں کو تو اس قدر اجنبیت ہوتی ہے اسلام سے کہ نام بھی مسلمان کا سا پسند نہیں کرتے اور اس کو ذلت سمجھتے ہیں اہل یورپ کے سے نام رکھتے ہیں اور ایسوں کو لوگ قومی لیڈر کہتے ہیں اور ان کی تعریفیں کرتے ہیں کہ بڑے ہمدرد اور باحمیت ہیں، مسلمانوں کے اوپر انہوں نے جان ومال فدا کر رکھا ہے، آج کل کے لیڈروں میں حمیت (۲) تو ہے مگر صرف قومی حمیت ہے حمیت مذہبی (۳) نہیں یہ کوشش بے شک کرتے ہیں کہ ایک جماعت قائم رہے جن کو اہل اسلام کہا جاوے قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہوں بھی یا نہیں بلکہ یہ لوگ مذہبی حمیت کو جنون کہتے ہیں لیڈران قوم کے قصے آپ نے سن لئے اگر ایسے لوگ بھی مسلمان ہیں تو دنیا میں کوئی بھی کافر نہیں ان سے وہ کافر بدرجہا اچھے ہیں جو کھلم کھلا اپنے آپ کو دوسری قوم میں شمار کرتے ہیں ان سے اتنا ضرر مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کیونکہ مسلمان جانتے ہیں کہ یہ ہمارے مخالف ہیں اور ان لوگوں کو اپنا موافق سمجھتے ہیں اور حقیقت میں ان کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں تو یہ دشمن بصورت دوست ہیں ان سے مسلمان ہر وقت دھوکہ کھاسکتے ہیں ان سے وہ نقصان پہنچتا ہے جیسے ایک رئیس کو ریچھ سے پہنچا۔

ہمدردانِ اسلام کی خدمتِ دین کی عجیب مثال

ایک رئیس نے ریچھ پالا تھا اور تعلیم اس کو یہ دی تھی کہ یہ سویا کرتے تھے اور وہ

(۱) رنڈی خانے میں (۲) غیرت (۳) قومی غیرت ہے مذہبی نہیں۔

مکھیاں اڑایا کرتا تھا ایک مرتبہ آقا صاحب لیٹے تھے اور بے خبر سو رہے تھے اور آغا صاحب محافظ تھے اور اپنے معمول کے موافق مکھیاں اڑا رہے تھے بعض مکھی ضدن ہوتی ہے جہاں سے اڑایا جاوے وہیں لوٹ لوٹ کر آتی ہے ایک مکھی نے اسی طرح ان محافظ صاحب کو دق (۱) کیا یہ اڑا اڑا دیتے تھے اور وہ لوٹ لوٹ کر پھر منہ پر آبیٹھتی تھی پس ان کو غصہ آ گیا جیسے ایک افیونی کا قصہ ہے کہ ان کی ناک پر ایک مکھی بار بار آ کر بیٹھتی تھی انہیں غصہ آ گیا اور لے کر استرہ اپنی ناک کو اڑا دیا کہ لے حرام زادی وہ اڈا ہی نہیں رہا اب بیٹھ کہاں بیٹھے گی حالانکہ جب تو ایک ہی مکھی تھی اب تو اس کی ساری برادری خون پر آوے گی غرض اس ریچھ کو غصہ آ گیا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر لایا اور منتظر رہا کہ اب کے مکھی آوے تو اس کو پتھر سے ماروں گا چنانچہ وہ مکھی آقا صاحب کے منہ پر حسب دستور آ کر بیٹھی انہوں نے پوری قوت سے اور نشانہ صحیح کر کے اس کے پتھر مارا مکھی تو اڑ کر الگ گئی اور آقا صاحب کا سر پاش پاش ہو گیا صاحبو یہ ریچھ بھی خیر خواہ ہی تھا قرائن قویہ اس بات کی شہادت میں موجود ہیں کہ اس نے اس فعل میں کوئی بدنیتی نہیں کی اپنے نزدیک تو آقا کی خیر خواہی اور خدمت ہی کی مگر ایسی خدمت سے خدا بچاوے اس کا تو کام ہی تمام ہو گیا ایسی خیر خواہی آج کل اسلام کی ہو رہی ہے کہ ہمدردان اسلام اور خیر خواہان قوم وہ تجویز کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ترقی ہو خواہ اسلام کا گلا ہی گھٹ جاوے۔

لیڈران قوم کی عقل کا حال

ایک اخبار میں چھپا تھا کہ اسلام ایسا مذہب ہے جس کی طرف بہت لوگوں کو رجحان ہے مگر اس میں نماز کی ایسی نچ (۲) لگا رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے بہت لوگ اس میں آنے سے رکتے ہیں اگر علماء نماز کو اس میں سے نکال دیں تو ہزاروں آدمی مشرف باسلام ہو جاویں اور مسلمانوں کی جماعت میں معقول اضافہ ہو جاوے اور بہت زیادہ ترقیٔ اسلام ہو کیوں صاحب بلا نماز کے وہ اسلام بھی ہوگا میں اس سے بھی سہل ترکیب بتاؤں وہ یہ ہے کہ سب قوموں کا نام مسلمان رکھ دیا جاوے خواہ وہ اس کو پسند کریں یا نہ کریں پس آج ہی کروڑوں کی تعداد کا اضافہ ہو جاوے گا دنیا میں کوئی قوم اور رہے گی ہی نہیں سب مسلمان ہی مسلمان ہوں گے۔

(۱) پریشان کیا (۲) دیوار کے اندر وہ خلا۔

صاحبو! یہ لیڈران قوم اور عقلاء کی رائیں ہیں نہ معلوم عقل ان لوگوں کی کون لے گیا، ایک چیز کی ذاتیات اور ارکان موجود نہیں اور اس چیز کو موجود سمجھتے ہیں کسی چیز پر حیوان اور ناطق تو صادق آتے نہیں اور انسان کو اس پر صادق سمجھتے ہیں یا کسی کا سر کاٹ کر الگ پھینک دیا گیا پاؤں الگ پھینک دیئے گئے اور تمام جسم کی بوٹی بوٹی الگ پھینک دی گئی مگر اس کل کو یہاں حیّ (۱) قائم سمجھ رہے ہیں نہ معلوم یہ کونسی معقول کا مسئلہ ہے کہ وجود عدم (۲) کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے دین کی ہر ہر چیز کو تو حذف کر ڈالا اور دین موجود اور مسلمان ہونے کے مدعی ہیں مامورات (۳) میں سے کوئی چیز مامور بہ نہیں مانتے نماز کی ضرورت نہیں اس کی حقیقت جسمانی ریاضت ہے وہ اور طریق سے کرلی جاتی ہے روزہ بہیمیت (۴) توڑنے کے لیے تھا وہ اس زمانے میں رہی نہیں کیونکہ تعلیم کا زمانہ ہے اسی طرح حج زکوٰۃ وغیرہ سب کو کتر بیونت (۵) کرکے ندارد کردیا اور محرمات (۶) میں سے کسی چیز کو ممنوع نہیں سمجھتے سود کی حرمت اڑا ہی دی اس کا تو آج کل اتنا زور شور ہے اور اس مسئلہ میں ایسی قابلیتیں دکھائی گئی ہیں کہ حلال ہی کرکے چھوڑا ہے غرض اجزاء دین کو سب کو الگ کردیا ہے اور منافیات (۷) دین کو دین میں داخل کرلیا ہے اور خوش ہیں کہ ہم دیندار اور پکے مسلمان ہیں یہ تو ایسا ہوا جیسے کوئی اپنے کنبہ والوں کو اور دوستوں کو تو اپنے گھر میں سے نکال باہر کرے اور غیروں کو اور اپنے جانی دشمنوں کو گھر میں داخل کرلے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہورہا ہو اور خوشی خوشی لوگوں کو دکھارہا ہو کہ دیکھو ہمارا گھر کیسا آباد ہے ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہوجاوے گا کہ کیسا آباد ہے جب کہ وہ تیری تکا بوٹی کریں گے۔

لیڈران قوم کی خیر خواہیٔ اسلامی کی عجیب مثال

آج کل لیڈران قوم نے دین میں وہ تصرفات کئے ہیں اور ایسی خیر خواہی اس کے ساتھ کی ہے جیسے کسی بوڑھیا نے ایک شاہی باز کے ساتھ کی تھی حکایت اس کی اس طرح ہے کہ ایک شاہی باز اڑ کر ایک بڑھیا کے یہاں جا بیٹھا بڑھیا نے اس کو پکڑ لیا اور اس کی چونچ اور پنجوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا دیکھا چونچ ٹیڑھی ہے ناخن کس قدر بڑھے

(۱) زندہ اور موجود (۲) موجودگی غیبوبت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے (۳) جن احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ان میں سے کسی حکم کو مانتے نہیں (۴) حیوانیت کے ختم کرنے کے لیے ہے (۵) تراش خراش کرلی (۶) جو چیزیں حرام ہیں (۷) دین کے خلاف باتوں کو۔

ہوئے ہیں اور ٹیڑھے بھی ہیں اور اس کو گود میں لے کر رونا شروع کیا کہ ہائے بچے تو کیسے زمین پر بیٹھتا ہوگا تیری انگلیاں ٹیڑھی ہیں ناخن اتنے بڑھ گئے ہیں اور کھاتا کیسے ہوگا کیونکہ چونچ بھی ٹیڑھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تو بے ماں باپ کا ہے کوئی تیری غور کرنے والا نہیں ہے جو ناخن کاٹتا اور چونچ کو درست کرتا ہے اور رحم وشفقت نے ایسا زور کیا کہ قینچی لے کر اس کے ناخن سب کاٹ دیئے اور چونچ بھی تراش دی اپنے نزدیک تو بڑھیا نے اس کی بڑی خیر خواہی اور ہمدردی کی مگر خدا بچاوے ایسی ہمدردی سے کہ اس کو برباد ہی کر دیا نہ وہ شکار پکڑنے کے کام کا رہا اور نہ کھانے کے۔

یہی خیر خواہی اسلام کے ساتھ آج کل کے ہمدردان اسلام کرتے ہیں کہ یہ بھی فضول اور وہ بھی فضول نماز بھی زائد ہے روزہ بھی زائد ہے زکوٰۃ کی حاجت نہیں، حج بھی فضول ہے اور پھر مسلمان ہونے کے مدعی، معلوم نہیں اسلام کس چیز کا نام ہے کوٹ کا نام ہے یا پتلون کا نام ہے جب اسلام کا ہر جز فضول ہے تو کل (۱) بھی فضول ہے اس کا نام ہی کیوں لگا رکھا ہے اور ہم تو جانیں تم بھی فضول (۲) ہو جو ایسی فضول باتیں کرتے ہو سچ یہی ہے کہ درحقیقت یہی لوگ فضول ہیں ایک پیسہ کا سنکھیا کھا کر مرجاتے تو دنیا ایسے ناپاک وجود سے پاک ہوجاتی ہے۔

اصل عمل ظاہر ہے اور باطن اس کے تابع

غرض اس گروہ نے (یعنی امراء نے) عجیب گت بنائی ہے دین کی درحقیقت تو یہ دین سے بالکل الگ ہیں مگر نام نہاد کے لیے اور دل کو سمجھانے کے لیے دین کا ایک خلاصہ نکال لیا ہے اور اس کو دین کا لب لباب (۳) سمجھ کر خاموش ہیں کہ وہ ہمارے پاس موجود ہے لہٰذا ہم دیندار ہیں وہ خلاصہ تہذیب اخلاق ہے اس کو دین کا باطن کہتے ہیں اور خیال ہے کہ باطن ہی مقصود اعظم ہے ظاہر کی کیا ضرورت ہے انہوں نے اس طرح دین کا باطن نکالا اور درویشوں نے اور طرح نکالا تھا جس کو میں بیان کر چکا ہوں غرض ان دونوں جماعتوں نے ظاہر کی ضرورت نہیں رکھی پس یہ حدیث اس پر رد کر رہی ہے اور بتا رہی ہے کہ ظاہر بھی مقصود اعظم ہے کیونکہ حضور قلب کو شرط کیا دعا کے لیے چنانچہ

(۱) پھر تو مکمل اسلام ہی فضول ہوا (۲) تمہارا وجود بھی بیکار ہے (۳) اصل الاصول۔

فرماتے ہیں ان اللّٰہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ (۱) یعنی اللہ تعالیٰ بلا حضور قلب کے دعاء کو قبول نہیں کرتا یہاں دعاء عمل ہے اور اس کے لیے شرط ٹھہرایا ہے حضور قلب کو اور ظاہر ہے (جیسا کہ میں اوپر بھی کہہ چکا ہوں) کہ شرط من حیث الشرط (۲) تابع ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ اصل عمل دعا ہے اور حضور قلب اس کے تابع اس کو دوسرے لفظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اصل مقصود عمل ظاہری ہے اور باطن اس کے لیے شرط اور اس کا تابع ہے اس سے ان دونوں جماعتوں کے اس خیال پر رد ہو گیا کہ اصل مقصود باطن ہے یہ تحقیق تو نسبت بین الظاہر والباطن کی حدیث سے ہوئی۔

ایک فلسفیانہ راز

اب عقلی طور پر سمجھئے کہ اس میں ایک فلسفیانہ راز ہے وہ یہ کہ ہر چیز کی ترقی عمل سے ہوتی ہے یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو آج کل کے لوگ تو تہہ دل سے مانتے ہیں کیونکہ ترقی کا مدار اسی پر ہے اور ترقی ہی ترقی کا آج کل ہر چہار طرف غُل ہے (۳) سو سب کو معلوم ہے کہ خیال باطن ہے اور عمل ظاہر اور ترقی صرف خیال سے نہیں ہوتی چنانچہ لیکچروں میں برابر کہا جاتا ہے کہ ترقی کے لیے ہاتھ پیر کو ہلاؤ صرف خیال سے کچھ نہ ہوگا عمل کر کے دکھاؤ عملی حالت کو بدلو تب تم پستی سے نکل کر ترقی کے میدان میں آؤ گے اس کی بناء اسی بات پر تو ہوئی کہ ترقی عمل سے ہوتی ہے صرف خیال اس کے لیے کافی نہیں گو یہ ضرور ہے کہ عمل اس خیال ہی سے پیدا ہوتا ہے اور خیال کا وجود عمل سے پہلے ضروری ہے کیونکہ اعضاء تابع ہوتے ہیں قلب کے جب قلب میں ایک بات ایک مرتبہ خیال میں پیدا ہوتی ہے تو اس کے بعد اس کا ظہور مرتبہ فعل میں اعضاء سے ہوتا ہے کہاں ہیں مدعیان سائنس اور مدعیان تعلیم ذرا اپنے سائنس ہی کے مسئلہ میں غور کریں کہ ہر فعل کے وجود کے لیے دونوں باتوں کی ضرورت ثابت ہوئی خیال کی بھی جس کو دوسرے لفظ میں باطن کہہ سکتے ہیں اور عمل کی بھی جس کو دوسرے لفظ میں ظاہر کہا جا سکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان

(۱) ان اللّٰہ لا یستجیب دعاء من قلب غافل لاہٍ۔ سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۳۴۷۹ (۲) شرط ہونے کے اعتبار سے (۳) چاروں طرف شور ہے۔

دونوں میں سے کارآمد اور اصل چیز جس سے ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ عمل ہے یعنی ظاہر نہ کہ خیال یعنی باطن، گو بلا باطن کے وجود ظاہر کا نہ ہوسکتا ہو اس کی مثال پھل اور گٹھلی کی ہے مثلاً آم ہے کہ مقصود آم کا پھل ہے نہ گٹھلی گو وجود پھل کا موقوف ہے گٹھلی پر تو جس کو آم کھانا ہو اس کی گٹھلی سے بھی گریز نہیں ہوسکتا بلکہ اول کام گٹھلی ہی (۱) سے پڑے گا لیکن مقصود بالذات اور کام کی چیز پھل ہی ہے جیسا کہ سب جانتے ہیں۔

باطن کو مقصود اعظم کہنے والوں کی مثال

تو ان لوگوں کی مثال جو محض باطن کو مقصود اعظم قرار دیتے ہیں اور ظاہر کی ضرورت نہیں سمجھتے ایسی ہوگی کہ ایک شخص نے گٹھلیاں ٹوکرہ بھر جمع کرلی ہوں اور خوش ہو کہ ہمارے پاس آم ہیں اور ہم آم کھاتے ہیں اور جب کوئی اس پر اعتراض کرتا ہو تو جواب دیتا ہو کہ میاں اصل چیز تو یہی ہے اس کے بغیر تو پھل کا وجود ہی نہیں ہوسکتا صاحبو یہ دلیل تو ٹھیک ہے مگر کیا کوئی ان کو اس دلیل کی رو سے آم کھانے والا کہہ سکتا ہے حاشا وکلا (۲) آم کی ان کو خوشبو بھی نہیں آئی اور بوجھوں (۳) مرے مفت تو اصل یہی ٹھہری کہ بڑا مقصود ظاہر ہی ہوا گو وہ وجود میں موقوف ہو باطن پر اور یہ بعینہ سائنس کا وہی مسئلہ ہے کہ ترقی کا مدار عمل پر ہے نرا خیال کافی نہیں، گو عمل کا وجود خیال ہی سے ہوتا ہے ورنہ نرا خیال تو شیخ چلی نے بھی پکایا تھا اگر خیال سے ترقی ہوسکتی تو شیخ چلی کو بڑی ترقی ہوتی اور اگر یہی ترقی ہے تو ایسی ترقی تو بہت سہل ہے ہر شخص بے محنت ومشقت گھر میں بیٹھے حسب دلخواہ کرسکتا ہے۔

شیخ چلی کی حکایت

وہ قصہ یہ ہے کہ ایک شیخ چلی تھے انہوں نے ایک پیسہ کی مزدوری کی ایک گھڑا شیرہ کا سر پر اٹھا کر لے چلے راستہ میں سوچا کہ اب ہمیں ایک پیسہ ملے گا تو ہم اس کا ایک انڈا خریدیں گے اور اس کو کسی مرغی کے نیچے رکھ دیں گے تو بچہ نکل آوے گا اور وہ بچہ مادیَن (۴) ہوگا اور بڑا ہوکر پوری مرغی ہوجاوے گی اور انڈے دے گی، تو ان انڈوں میں سے پھر بچے نکلوائیں گے اور اسی طرح اس کی نسل بڑھ جاوے گی تو سب کو بیچ کر ایک گائے خریدیں گے اور اس کی نسل بڑھاویں گے یہاں تک کہ ان کی تجارت کریں

(۱) گٹھلی ہوگی تو درخت اُگے گا جس پر آم آئے گا (۲) ہرگز نہیں (۳) مفت میں وزن اٹھائے پھر رہے ہیں (۴) وہ بچہ مرغی ہوگا۔

گے اور بہت روپیہ ہوجاوے گا پھر گھوڑوں کی تجارت شروع کریں گے اس میں بہت نفع ہوگا اور مال بڑھ جاوے گا پھر ہاتھیوں کی تجارت کریں گے اور اس سے روپیہ خاطر خواہ کما کر ایک بڑے رئیس بن جاویں گے اور وزیر زادی سے نکاح کا پیغام دیں گے اور نکاح ہوجاوے گا (جو کچھ منصوبے یہ گانٹھتے (۱) جاتے ہیں وہ ساتھ کے ساتھ پورے بھی ہوتے چلے جاتے ہیں) پھر ہمارے ایک بچہ پیدا ہوگا (پہلے تو مرغی کے بچے تھے اب مرغے کے ہوں گے) پھر وہ بچہ بڑا ہوگا اور ہمارے ساتھ پھرا کرے گا پھر وہ ہم سے پیسہ مانگے گا تو ہم کہیں گے ہشت۔ یہ جو کہا تو اس خیال میں سر بھی ہل گیا اور شیرے کا مٹکا گر گیا اور تمام شیرہ بہہ گیا مالک ناراض ہوا اور کہا ابے یہ کیا کیا ایک پیسہ کی تو مزدوری کی اور میرا کئی روپے کا نقصان کر دیا انہوں نے کہا جاؤ کام بھی کرو تمہیں ایک شیرہ کی پڑی ہے یہاں تمام مال و دولت اور کنبہ بیوی بچے سب غارت ہوگئے۔ صاحبو! خیالی ترقی یہ ہے کہ اگر خیال ہی کافی ہے اور عمل کی ضرورت نہیں تو شیخ چلی نے بڑی ترقی کی ایسی ترقی آپ بھی کرلیا کیجئے اور بکھیڑے کا ہے کے لیے پھیلا رکھے ہیں۔

خیالی ترقی کی مثال

اسی طرح ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ ان کو شہر کی شہزادی سے نکاح کرنے کی ہوس تھی اور مدت تک اس فکر میں رہے کسی نے پوچھا کہ میاں کچھ کامیابی کی بھی امید ہے کہا ہاں آدھا سامان تو ہوگیا ہے آدھا باقی ہے یعنی میں تو راضی ہوں وہ راضی نہیں خیال نکاح یہاں موجود ہے مگر کیا نکاح ہوگیا صاحبو نرا خیال تو ایسا ہے اگر نرے باطن کی کچھ وقعت ہے اور اس سے کام ہوسکتا ہے تو شیخ چلی کو ترقی ہوجاتی ایسے قصوں پر تو لوگ ہنستے ہیں اور سن کر تعجب کرتے ہیں کہ ایسا بھی بیوقوف کوئی ہوا ہوگا جس کی یہ حالت ہو اور خود اپنے اندر وہی حالت موجود ہے اس پر نہیں ہنستے اور تعجب نہیں کرتے بلکہ اس سے زیادہ خراب حالت ہے کیونکہ شیخ چلی کی تو یہ خیالی بندش سب دنیا کے بارے میں تھی اور آپ کی آخرت کے بارے میں ہے دنیا میں اگر کنبہ غارت ہوگیا تو کیا اور رہا تو کیا، ایک دن سب دنیا ختم ہوجاوے گی مگر آخرت کبھی ختم نہ ہوگی اگر وہاں کا کام بگڑ گیا تو ہمیشہ

(۱) منصوبے بنائے جاتے۔

ہمیشہ کی مصیبت ہوئی مگر اس کے بارے میں کیسے بھولے بن گئے ہیں کہ شیخ چلی سے بھی بڑھ چڑھ کر خیالی بندشیں کر رکھیں ہیں اور پھر دعوے رکھتے ہیں اہل عقل ہونے کا اور ریفارمر ہونے کا اور غلطی پر متنبہ کرنے والوں کو خشک مغز(۱) کہتے ہیں۔

اصل کارآمد عمل ہے

صاحبو نرے باطن کی یہ حقیقت ہے اسی کو کہا ہے۔

عرفی اگر بگر یہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

یعنی صرف رونے سے اگر وصال محبوب ہوجایا کرتا تو یہ تو بہت سہل تھا سو سو برس رولیا کرتے مطلب یہ ہے کہ کوشش سے کام ہوتا ہے رونے سے کچھ نہیں ہوتا رونا خیال کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور کوشش عمل ہے۔

حاصل یہ کہ کارآمد عمل ہے نہ کہ خیال اور کہا گیا ہے (یہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے خدا جانے کہاں تک سچ ہے)

لو کان هذا العلم یدرک بالمنیٰ ما کان یبقی فی البریة جاهل

فاجهد ولا تکسل ولا تک غافلاً فندامة العقبی لمن یتکاسل

یعنی علم و معرفت اگر صرف تمنا اور خیال سے حاصل ہوجایا کرتا تو دنیا میں کوئی بھی اس سے محروم نہ رہتا مگر ایسا نہیں ہے اس دھوکہ میں مت رہو اور کوشش کرو اور عمل کرو اور جو کوئی سستی کرتا ہے اس کو انجام کار پچھتانا پڑے گا صاحبو خوب سمجھ لیجئے کہ کوئی مقصود بلا مشقت اور بلا ہاتھ پیر ہلائے حاصل نہیں ہوسکتا دنیا کا نہ آخرت کا اس مشقت ہی کا نام عمل ہے اور اسی کا نام ظاہر ہے اور باطن نام صرف خیال کا ہے اگر ظاہر کو اڑا دیا تو رہا کیا صرف خیال جو کچھ بھی کارآمد نہیں جیسا کہ آپ کی سائنس بھی اس کو ثابت کرتی ہے اور آپ خود بھی مانتے ہیں کہ ترقی عمل سے ہوتی ہے نہ صرف ارادوں اور ڈھکوسلوں سے۔

اصلاح کی ضرورت پر نصوص موجود ہیں

پھر یہ بات کہاں تک صحیح ہے کہ نرا باطن کافی ہے اور ظاہر کی ضرورت نہیں یہ عقلی ثبوت بھی ہوگیا ظاہر کی ضرورت کا اور اس کے مقصود ہونے کا اور حدیث سے پہلے

(۱) خشک دماغ۔

ثابت ہو چکا اور اس حدیث کے علاوہ دوسرے نصوص بھی بکثرت موجود ہیں جو اس بات میں بالکل صریح ہیں اور وہ نصوص اس قدر ہیں کہ دنیا بھر ان کو جانتی ہے اور ہمارے مخاطبین کو بھی معلوم ہے مگر انہوں نے ان میں ایک اور ترکیب چلی ہے وہ یہ کہ ان کے معنی بدلے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے وہ معنی نہیں ہیں جو مولوی لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں اور اپنے مذاق کے موافق کھینچ کھانچ کر معنی بیان کرتے ہیں اس وقت ان کی تفصیل کا موقع نہیں اجمالاً یہ کہنا کافی ہے کہ آیا معنی وہ صحیح ہوں گے جو لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں اور اہل علم نے سمجھے ہیں یا وہ جو کسی ایک دو نے اختراع (۱) کر لئے۔

اب یہ دیکھ لیجئے کہ جب سے شریعت مقدسہ آئی اس وقت سے ان نصوص کے معنی کیا سمجھے گئے اور تمام امت نے ظاہر کو ضروری سمجھا یا نہیں تمام کتابیں بھری پڑی ہیں اعمال کی ضرورت سے اور ایک ایک عمل کی کیفیت اور اس کے اجزاء ضروری اور غیر ضروری اور متممات ومحسنات (۲) اور اس کے مفسدات ومکروہات (۳) سب تفصیل کے ساتھ مدون (۴) ہیں پھر اس بکھیڑے کی کیا ضرورت تھی اگر عمل کی ضرورت نہیں تھی کیا اس سب امت کی امت نے غلط معنی سمجھے ظاہر ہے کہ ایک کے سمجھے ہوئے معنی غلط ہوسکتے ہیں نہ کروڑوں کے سمجھے ہوئے خوب لیجئے کہ یہ الحاد ہے اور دہریت ہے اور زندقہ ہے شریعت کا انکار جو اس کا مرتکب ہے وہ بے شک باطل پر ہے خواہ وہ اپنے زعم تعلیم یافتہ ہو اور دیندار ہو اور مقتداء ہو اور عقلمند ہو اور کچھ بھی ہو اور یہ اعمال کا ترک تعطل ہے اور یہ نفس کا دھوکہ ہے اور انجام اس کا حسرت ہوگا جس کے اعمال صحیح نہیں وہ کسی شمار میں بھی نہیں اور یقین کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ نہ کفر کے ساتھ خدا تک رسائی ہوسکتی ہے نہ فسق کے ساتھ، خدا تک تو رسائی طاعت کے ساتھ ہوتی ہے اور طاعت نام ہے عمل کا جس میں باطن کے ساتھ ظاہر بھی آ گیا جس میں عمل نہیں وہ خدا رسیدہ کبھی نہیں ہوسکتا اور میں تو زیادہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ خدا تک تو رسائی دور ہے دنیا تک بھی رسائی کفر وفسق کے ساتھ نہیں ہوتی اور یہ بات گونئی سی معلوم ہوئی ہوگی اور اس پر یہ شبہ قلوب (۵) میں پیدا ہوا ہوگا کہ دنیا تو زیادہ تر کفار اور فساق وفجار ہی کے ہاتھ میں ہے پھر یہ کہنا کیسے

(۱) گھڑ لئے (۲) کن کاموں سے عمل پورا ہوتا ہے اور کن سے خوبصورت (۳) اعمال کو باطل کرنے اور توڑنے والے کام (۴) ضبط کر دیئے گئے (۵) دلوں میں۔

صحیح ہوگا کہ دنیا تک بھی رسائی بدوں (۱) طاعت کے نہیں ہوتی۔

ہر چیز کی صورت وحقیقت

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت جو کفار وفساق دنیا میں عیش وآرام وتنعم (۲) میں دیکھے جاتے ہیں ان کو صرف صورت تنعم اور عیش کی حاصل ہے باقی تنعم وعیش کی جو حقیقت ہے یعنی راحت وآرام اور چین اور اطمینان قلب اور سکون وہ ہرگز ان کو حاصل نہیں مال ودولت اور مکان اور نوکر چاکر سب کچھ حاصل ہیں مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں آیا مقصود بالذات ہیں یا مقصود بالذات اور کوئی چیز ہے اور یہ سب چیزیں اس کے ذرائع ہیں سو اگر آپ غور کریں گے تو یہی ثابت ہوگا کہ یہ سب سامان محض ذرائع ہیں اور باقی مقصود بالذات اور ہی چیز ہے اور وہ چیز راحت اور سکون قلب ہے لیکن یہ چیزیں چونکہ بنا بر عادت اکثر یہ اس کے ذرائع ہیں اس واسطے ان کو بھی ایک درجہ میں طلب کیا جاتا ہے چنانچہ اگر کہیں عادت اکثر یہ کے خلاف ذریعہ اطمینان قلب بننے کی صفت ان میں نہ رہے تو اس وقت ان کو کوئی بھی طلب نہیں کرتا مثلاً ایک بہت بڑا مالدار شخص ہے اور اس کے گھر میں خزانہ لوٹنے کے لیے چور اور ڈاکو گھس آویں اور اس کے قتل کے درپے ہوجاویں تو اس وقت اس کی حالت یہ ہوگی کہ تمنا کرے گا کہ کاش میں مالدار نہ ہوتا کہ آج میری جاں تو نہ جاتی اور اس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ اگر چور اس بات پر راضی ہوں کہ ہم کو کل خزانہ دے دیں تو ہم تیری جان چھوڑ دیں تو اس کو وہ بخوشی منظور کرلے گا دیکھئے اس وقت وہ روپیہ جس کو تمام عمر بڑی کوشش سے جان کھپا کھپا (۳) کر حاصل کیا تھا مطلوب نہیں رہا اس سے صاف ثابت ہے کہ روپیہ مقصود بالذات نہ تھا بلکہ آرام وراحت کے لیے مطلوب تھا آج چونکہ وہ اس آرام وراحت کی ضد کا سبب بن گیا لہٰذا اس کے ساتھ معاملہ بھی بدل گیا بجائے اس کو سینت سینت (۴) کر رکھنے کے اپنے ہاتھوں نکال دیا گیا علیٰ ہذا اولاد، مکان خدم حشم ان سب کی بھی یہی حالت ہے کہ یہ بھی اسی وقت تک مطلوب ہیں جب تک کہ اطمینان قلب کے ذریعے ہیں (یہ غلطی ہے اہل دنیا کی کہ اس میں امتیاز نہیں کرتے کہ یہ

(۱) بغیر (۲) نعمتوں میں (۳) اپنی جان کو مشکلوں میں ڈال کر (۴) چھپا چھپا کر رکھنے۔

چیزیں بروقت مطلوب ہونے کے مطلوب بالذات ہیں یا دوسری چیز کی وجہ سے مطلوب ہیں) اور جب ان سے خالی ہوجاتے ہیں تو مطلوب نہیں رہتے دیکھا ہوگا کہ اپنی صلبی (۱) اولاد اگر کسی وجہ سے باپ کے خلاف ہوجاتی ہے تو خود باپ ہی ان کی محبت چھوڑ دیتا ہے بلکہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے ان کی جان کا دشمن ہوجاتا ہے اور ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ باپ نے ایسی صورتوں میں اولاد کو قتل کرادیا یا خدم حشم جب مخالف ہوجاتے ہیں مثلاً بادشاہ سے فوج بگڑ جاتی ہے تو وہ بادشاہ ہی ان کو قتل کرادیتا ہے اس صورت میں ان چیزوں کی مطلوبیت کہاں گئی معلوم ہوا کہ اصل مطلوب اور تھا اور یہ اس کے ذرائع ہونے کی وجہ سے مطلوب تھے جب تک یہ اس مطلوب کے ذریعے رہے اس وقت تک یہ بھی مطلوب تھے اور جب اس کے ذرائع نہ رہے ان سے کچھ تعلق نہ رہا اور وہ اصل مطلوب راحت قلب ہے جو تشویش کی ضد (۲) ہے پس ہر شخص ہر چیز کی طلب کے وقت صرف یہ چاہتا ہے کہ مجھے چین نصیب ہو اور تشویش (۳) نہ ہو تو جس چیز کو وہ اپنے نزدیک ذریعہ چین کا سمجھتا ہے اسی کو اختیار کرتا ہے اور اسی کا طالب ہوتا ہے کوئی مال کو چین کا ذریعہ سمجھتا ہے اس کا طالب ہے کوئی اولاد کو کوئی خدم حشم (۴) کو اسی طرح ان کا طالب ہوتا ہے اور مطلوب درحقیقت سب کا ایک ہے جس کا نام ہے راحت واطمینان۔

راحت کا ذریعہ صرف ذکر اللہ ہے

اب میں دعویٰ کرتا ہوں کہ کفار وفساق خواہ کیسے ہی تنعم (۵) میں ہوں مگر ان کو تنعم کی صرف صورت جو کہ راحت کے ذرائع میں سے ہے حاصل ہے اور حقیقت تنعم کی ہرگز حاصل نہیں بلکہ ان کا قلب کسی وقت تشویش سے خالی نہیں اور جس کو اطمینان قلب اور سکون کہتے ہیں اس سے وہ بہت دور ہیں میں قسم کھا کر دعویٰ کرتا ہوں کہ ان ذرائع سے حقیقی راحت کبھی نصیب نہیں ہوتی بس راحت کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ صرف ذکر اللہ ہے اور بلا اس کے راحت کہیں بھی نصیب نہیں ہوتی۔

اس کا امتحان کہ ذکر اللہ ہی ذریعۂ راحت ہے

اور یہ بات میں آپ کو زبردستی نہیں منواتا بلکہ میں ایک اس کا امتحان بتاتا

(۱) نسبی اولاد (۲) پریشانی کی ضد (۳) پریشانی (۴) ملازمین کو (۵) نعمتوں میں ہوں۔

ہوں اس کے بعد آپ کو کوئی رائے قائم کرنے کا اختیار ہوگا اور وہ امتحان بہت سہل ہے جو شخص چاہے کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسا شخص تلاش کیجئے جو بڑا متنعم اور خوش عیش (۱) ہو اور ہر قسم کا سامان اس کو میسر ہو مال و دولت اولاد خدم حشم سب ہی کچھ ہو مگر اس کو خدا سے علاقہ نہ ہو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر غور وانصاف سے کام لیں گے اور اس کے اندرونی حالات کی تفتیش کریں گے تو بالضرور یہی ثابت ہوگا کہ اطمینان قلب اس کو میسر نہیں اور کسی نہ کسی پریشانی میں ضرور مبتلا ہے اور ایک وہ شخص تلاش کیجئے جو اہل اللہ میں سے ہو اور خدا سے علاقہ (۲) رکھتا ہو اور خوش عیش (۳) نہ ہو بلکہ مبتلائے مصیبت ہو پھر اس کے اندرونی حالات کی تفتیش کیجئے دلائل سے صاف معلوم ہوجائے گا کہ اس کے قلب کو اطمینان ہوگا خدا جانتا ہے کہ دونوں کی حالتوں میں موت و حیات اور ظلمت ونور کا سا فرق ثابت ہوگا اس وقت آپ کو تصدیق ہوجاوے گی اس آیت کی مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (۴)۔

حیات طیبہ کی حقیقت

حیات طیبہ یہ ہے جس میں مال و دولت اور تمام دنیا کا مقصود اصلی حاصل ہے یعنی راحت واطمینان اور وہ کیا زندگی ہے جس میں ظاہرا ذرائع سب جمع ہیں مگر مقصود ندارد اسکی مثال ایسی ہوگی جیسے دو شخص سفر میں ہیں اور ایک ایسے جنگل میں ہیں جہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا ہے اور فرض کیجئے کہ ایک کے پاس ایک اشرفی ہے یا بہت سی اشرفیاں ہیں یعنی مالدار ہے اور دوسرے کے پاس مال نہیں ہے مگر ناشتہ ساتھ ہے جس وقت کھانے کا وقت آیا تو یہ اپنا کھانا لے کر بیٹھ گئے اور خوب فراغت سے کھالیا اور وہ اشرفی لیے پھرتے ہیں اور کھانے کو کچھ نہیں ملتا تو وہ اشرفی کچھ کام نہیں آسکتی اور اس مالداری سے وہ غربت اچھی ہے۔ حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ ذریعہ فی نفسہٖ مقصود نہیں ہوتا جب وہ ذریعہ نہ رہے تو اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں مقصود حاصل ہونا چاہئے جس طریق سے بھی حاصل ہو اور جس کو صرف مقصود حاصل ہو وہ اس سے بدر جہا

(۱) جس کے پاس ہر قسم کی عیش وعشرت کا سامان ہو (۲) تعلق (۳) عیش وراحت کا سامان نہ ہو (۴) ''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے'' سورۃ النحل: ۹۷۔

اچھا ہے جس کو صرف ذرائع حاصل ہوں سو اہل اللہ کو تو زندگی کا مقصود حاصل ہے یعنی راحت واطمینان گو ان کے پاس مال ودولت نہ ہو تو ان کی زندگی ان سے اچھی ہے جن کو کہنے کے لیے سب کچھ حاصل ہے مگر مقصود حاصل نہیں یہ بہت ہی موٹی بات ہے یہ ایسی ترکیب امتحان کی میں نے بتادی ہے جس کو ہر شخص کرسکتا ہے پس اب میرے قول کی تصدیق ہوگئی کہ بدوں طاعت کے دنیا تک بھی رسائی نہیں ہوسکتی اور دنیا کی زندگی بھی اگر پُرلطف ہوسکتی ہے تو خدا کا نام لینے ہی سے اور اطاعت کرنے ہی سے ہوسکتی ہے۔

اہل اللہ کے پُرجوش الفاظ

اور اگر امتحان کی فرصت نہ ہو جن کی زندگی پُرلطف ہوتی ہے ان کے اقوال ہی دیکھ لو جو کہ اپنے اثر سے اس دعوے کا یقین دلا رہے ہیں ایک صاحب کہتے ہیں۔

زیر بار اندر درختاں کہ ثمرہا دارند اے خوشا سرو کہ از غم آزاد آمد(۱)

تعلق والی زندگی اور بے تعلق زندگی کا فرق بتاتے ہیں کہ جو تعلقات میں مبتلا ہیں وہ ہر وقت ایک بار میں دبے ہوئے ہیں یہ اہل دنیا کی زندگی ہے اور جو بے تعلق ہیں وہ آزاد ہیں کوئی باران کے اوپر نہیں یہ اہل اللہ کی زندگی ہے اس کی قدر اہل دنیا کو معلوم نہیں ہے ورنہ سب چھوڑ چھاڑ کر یہ حالت بنا لیتے۔

لنگیکے زیرو لنگیکے بالا نے غم دزد نے غم کالا(۲)

کیا اہل اللہ بے حس یا اہل تصنع ہیں؟

چنانچہ ایسا تو بارہا ہوا ہے کہ ایک شخص عیش وآرام میں تھا اور صاحب ثروت بلکہ صاحب سلطنت تھا مگر کسی طرح اس کی نظر اہل اللہ کی زندگی پر پڑ گئی بس وہ سلطنت اور دولت وثروت سب چھوڑ کر ان ہی جیسا بن گیا، ایسے واقعات بکثرت ہوئے ہیں مگر ایسا واقعہ ایک بھی نکلنا مشکل ہے کہ ایک لنگی باندھنے والا اور فاقوں سے مرنے والا اور مصیبتیں اٹھانے والا باخدا اس زندگی کو چھوڑ کر اہل دنیا کی طرف آیا ہو، آخر کچھ تو بات ہے جس کے سبب ادھر سے تو ادھر جاتے ہیں اور اُدھر سے ادھر نہیں آتے ایک صاحب فرماتے ہیں۔

(۱) ''پھل دار درخت زیر بار ہیں سرو بہت اچھا ہے ہر غم سے آزاد ہے'' (۲) ''ایک لنگی نیچے ایک لنگی اوپر، نہ چور کا کھٹکا نہ مال ومتاع کا غم''

ما ہیچ نداریم وغمِ ہیچ نداریم دستار نداریم وغم پیچ نداریم(۱)

یہ اپنی ناداری پر فخر کرتے ہیں جس سے لوگ پناہ مانگتے ہیں آخر کیا بات ہے کیا یہ لوگ بے حس ہیں کہ ان کو تکلیف معلوم ہی نہیں ہوتی مگر ان کے دوسرے حالات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بے حس تو نہیں ہیں بلکہ ان کا حس اہل دنیا کے حس سے بہت زیادہ ہوتا ہے لہٰذا یہ شق تو باطل ہے اب ایک شق اور باقی رہی وہ یہ کہ اہل تصنع ہیں کہ فاقوں سے تو مرے جاتے ہیں مگر اکھڑ پنا وہی ہے جیسے بعض فقیر ہوتے ہیں کہ پیٹ میں تو آگ لگی ہوئی ہے اور بھوک کے مارے آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں مگر سیدھے منہ کسی سے بات نہیں کرتے اور گالیاں دیتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اور اعتقاد لوگوں کا بڑھے اور دوکانداری کو ترقی ہو، تو شاید یہ لوگ بھی ایسے ہی ہوں اور دوکانداری بڑھانے کے لیے یہ اینٹھ مروڑ دکھائی ہو۔

اہل اللہ میں تصنع (۲) نہیں ہوتا

سو یہ شق بھی غلط ہے اس واسطے کہ ان لوگوں کے دوسرے حالات صاف شہادت دے رہے ہیں کہ تصنع کی ان لوگوں میں بو باس (۳) تک بھی نہیں ہے انہوں نے تو اپنے آپ کو اتنا مٹایا ہے کہ عزت اور ذلت میں ان کی نظر میں کچھ فرق ہی نہیں رہا بلکہ عزت کو چھوڑ چھوڑ کر ذلت اختیار کی ہے پھر تصنع سے ان کو کیا علاقہ کیونکہ تصنع تو عزت حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے علاوہ بریں تصنع چھپا نہیں رہتا یہ فقیر جو گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور مست بنتے ہیں اول وہلہ (۴) میں کچھ جہلاء ان کے معتقد ہو جاتے ہیں لیکن بہت ہی تھوڑے زمانہ میں حقیقت حال کھل جاتی ہے اور وہی لوگ سب سے زیادہ ان کو برا کہتے ہیں اور ان لوگوں کی حالت اس کے برعکس ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے ان کے الفاظ کا اثر اور گہرا ہوتا جاتا ہے اور ان کے الفاظ سے سراسر صدق ٹپکتا ہے اور ان کے مضامین دلوں پر قبضہ کئے لیتے ہیں، بات یہی ہے کہ یہ الفاظ تصنع (۵) سے نہیں نکلتے بلکہ ان کی واقعی حالت یہی ہے کہ کسی سے ان کو تعلق نہیں رہا سوائے ایک ذات کے کہ اس کے عشق میں محو ہیں جس کی یہ شان ہے

(۱) ”ہم کچھ نہیں رکھتے اور کچھ نہ ہونے کا غم ہم کو نہیں ہے دستار ہمارے پاس نہیں ہے اور پیچ کا بھی ہم کو غم نہیں ہے“ (۲) بناوٹ دکھاوا (۳) نشان، سراغ (۴) ابتدائی درجہ میں (۵) بناوٹ۔

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد | او زحرص وعیب کلی پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائی ما | اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت ناموسِ ما | اے تو افلاطون و جالینوسِ ما(۱)

یہ تو گذشتہ ان لوگوں کے حالات ہیں جن کو پر لطف زندگی میسر ہوئی ہے اور جس کا جی چاہے امتحان بھی کرلے، رہ گئے اہل دنیا سو ان کو جو کچھ عیش وآرام میسر ہے وہ صرف صوری اور ظاہری ہے ان دونوں میں ایسا فرق ہے جیسے اصلی قدرتی پھول میں اور کاغذ کے پھول میں، گو کہ کیسی ہی صناعی سے کام لیا گیا ہو مگر کاغذ کا پھول اصلی کے برابر نہیں ہوسکتا گویا ایک وقت اس میں آب وتاب اور رنگ اصلی سے بھی زیادہ نظر آتا ہے جس سے اوپری (۲) نظر سے دیکھنے والا ممکن ہے کہ ایک دفعہ اس کو ترجیح دے دے لیکن جب غور سے دیکھے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ پھول ہی نہیں ہے وہ تو صرف نقل ہے پھول کی حقیقت پھول کی اس میں موجود نہیں اور اس وجہ سے اگر یہ بھی کہا جاوے کہ وہ پھول نہیں ہے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

اہل اللہ ہی کی زندگی پُرلطف ہوتی ہے

علیٰ ہذا جب کہ جو حقیقت ہے عیش وآرام کی وہ اہل اللہ ہی کی زندگی میں ہے تو اسی کو پُرلطف زندگی کہہ سکتے ہیں اور اہل دنیا کی زندگی میں اس کا نشان نہیں اس واسطے باوجود صورت عیش وآرام کے موجود ہونے کے اگر یہ کہا جاوے کہ وہ عیش وآرام ہی نہیں ہے بلکہ یوں بھی کہا جاوے کہ وہ زندگی ہی نہیں ہے تو کچھ بے جا نہیں۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ میں یہ بات آپ کو زبردستی نہیں منواتا کہ آرام اور لطف کی زندگی اہل اللہ ہی کی ہے بلکہ دلیل سے اور شواہد سے میں اس کا ثبوت بھی رکھتا ہوں اب تو اس بات میں کچھ استبعاد (۳) نہ رہا ہوگا کہ بدوں طاعت کے دنیا تک بھی رسائی نہیں ہوسکتی اور بدوں طاعت کے دنیا کی بھی حلاوت (۴) میسر نہیں ہوسکتی اگر تم کو دنیا ہی چاہئے تب

(۱) ''یعنی جس کو محبوب حقیقی کا عشق ہوجائے وہ حرص اور تمام نقائص اور اخلاق ذمیمہ سے پاک ہوجاتا ہے، اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہوجاتا ہے، اے عشق تو ایسا ہے کہ تجھ سے نخوت وناموس کا دفعیہ ہو جاتا ہے تو ہمارے لیے افلاطون اور جالینوس ہے''
(۲) اجنبی (۳) یہ بات سمجھنے میں کوئی وقت نہیں ہوگی (۴) مٹھاس۔

بھی اللہ ہی کے ہو جاؤ دنیا کا چین بھی جب ہی میسر ہوگا۔

اہل اللہ کی زندگی پُرلطف ہونے کا راز

اور اس میں ایک راز وہ یہ کہ راحت کی کنجیاں (۱) حق تعالیٰ کے پاس ہیں یہ ایسی موٹی بات ہے کہ جو خدا کا قائل ہے وہ اس سے انکار کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک خدا تعالیٰ کو مانے گا اور کنجی والے سے قفل (۲) کے اندر کی چیز لینے کا طریقہ عقلاً یہی ہے کہ اس کو راضی کیا جاوے اگر کوئی کہے کہ کبھی کنجی چھین کر بھی تو اندر کی چیز لی جاسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جب ہوسکتا ہے جب کہ کنجی والا اس سے کمزور ہو اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کسی سے کمزور نہیں تو حق تعالیٰ سے اگر کنجی کے اندر کی چیز مل سکتی ہے تو رضا ہی سے مل سکتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی راحت کا طالب ہو اور وہ خدا کو بلا راضی کئے راحت کو حاصل کرلے یہ الٹی چال سائنس کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف کہاں گئی عقل جب طاعت (۳) ہی سعادات دنیویہ واخرویہ کی شرط ٹھہری اور اطاعت نام ہے عمل کا جس کا بڑا حصہ اعمال ظاہری ہیں تو ظاہر کا ضروری ہونا صاف واضح ہوگیا اور اس باب میں نصوص (۴) اس قدر ہیں کہ ان کا احصاء نہیں ہوسکتا پس نصوص کا اگر انکار ہے تو کفر صریح ہے اور اگر تاویل ہے تو بلا عمل کے کوئی عقلمند بنتا ہو یا تعلیم یافتہ یا دیندار یا مقتدا بنتا ہو کسی شمار میں بھی نہیں اور وہ غلطی میں مبتلا ہے اور نفس نے اس کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان نصوص میں ایسی من گھڑت تاویلیں کرنا بمقابلہ تمام اُمت سلف اور خلف کے غیر مقبول اور الحاد اور زندقہ ہے غرض نصوص سے بھی ظاہر کی ضرورت ثابت ہے ادھر سائنس سے بھی اوپر ثابت ہو چکا کہ نرے خیالات کسی کام کے لیے کافی نہیں بلکہ ان خیالات کو درجہ عمل میں آنے کی ضرورت ہے اور بلا اس کے کوئی ترقی نہیں ہوسکتی تو دین کے لیے نرے باطن کی ضرورت کا قائل ہونا کیسے صحیح ہوگا اور ظاہر کیسے اڑ جاوے گا مدعیان تعلیم ذرا غور کریں۔

ظاہر کی ضرورت کی ایک زبردست مثال

میں ظاہر کی ضرورت کی ایک ایسی مثال دیتا ہوں جس سے قلم ٹوٹ جاویں گے

(۱) چابیاں (۲) تالے میں رکھی ہوئی چیز (۳) اللہ پاک کی اطاعت کرنا ہی دنیا وآخرت کی بھلائی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے (۴) قرآن وحدیث کے احکام۔

معترضین کے، وہ مثال یہ ہے کہ ایک خوشنویس سے کسی طالب نے کہا کہ جیم لکھنا بتادو اب وہ جیم لکھے گا اور اس کے باریک اور موٹے ہونے کا موقع محل اور اجزاء کا تناسب اور پیمائش سب کچھ بتاوے گا اور خوب سمجھادے گا اور اپنے قلم سے لکھ کر بھی دکھادے گا اور شاگرد کے خیال میں خوب اس کا نقشہ جمادے گا یہ مرتبہ خیال کا ہے اگر یہ خوشنویس بننے کے لیے کافی ہے تو مہربانی کر کے جیم جیسا اس نے بتایا ہے لکھ تو دیجئے مگر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کبھی اس پر قدرت نہ ہوگی اور کوئی صورت اس قدرت حاصل کرنے کی سوائے اس کے نہیں ہے کہ مدتوں مشق کرو اور لاکھ دو لاکھ جیم لکھو کاغذ پر اور قلم گٹھے کے گٹھے (۱) خراب کرو اور استاد کی جوتیاں اٹھاؤ خیال میں تو نقشہ اس کا اول دن جم گیا مگر پھر بھی مدتوں یہ قصہ رہے گا کہ جب بھی اس خیال کو فعل میں لا کر جیم بناؤ گے تو استاد کہے گا غلط ہے یہ ویسا نہیں ہوا جیسا بتایا تھا۔

پس ثابت ہوا کہ صرف خیال تو کیا کافی ہوتا دو چار دفعہ بلکہ دس بیس دفعہ بلکہ سو دو سو دفعہ عمل بھی کافی نہیں ہوتا کسی کمال کے حاصل کرنے کے لیے، بات یہی ہے کہ کوئی کمال بلامشقت حاصل نہیں ہوسکتا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ باطنی اصلاح ہوسکتی ہے بلا اعمال ظاہرہ کے صاحبو! بالکلیہ عمل نہ ہونے کی صورت میں کیا ہوتی ایک دو دفعہ بلکہ بمقتضائے مثال مذکور سو پچاس دفعہ میں بھی نہیں ہوسکتی ہے مدتوں محنت کیجئے تب شاید کچھ ہوجاوے مثلاً رذیلہ غضب نفس (۲) میں ہے اور کسی کے نفس میں بہت زیادہ ہے تو حیرت کی بات ہے کہ وہ صرف اس خیال پر اکتفاء کرلے کہ یہ بری چیز ہے اور سمجھ لے کہ بس اس کی اصلاح کے لیے یہ خیال ہی کافی ہے یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی جیم کی صورت دیکھ کر سمجھ لے کہ اس کا لکھنا ہم کو آگیا، جب لکھنے بیٹھے گا تو معلوم ہوگا کیسا آگیا ہے ایسے ہی جس وقت موقع پر اس رذیلہ (۳) کا جوش ہوگا اور غصہ آوے گا تب دیکھیں گے ان کی یہ خیالی اصلاح کہاں تک کارآمد ہوگی صاحبو مرۃً بعد مرۃً (بہت مرتبہ) مشق کرنے سے اور استاد سے اصلاح لینے سے بھی غصہ قابو میں آجاوے تو غنیمت سمجھئے معلوم نہیں عقل کو لوگوں نے کتنی دور چھوڑا ہے کہ ایسی موٹی باتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں اور اچھے اچھے تعلیم یافتہ اور عقلاء اس کے قائل ہوجاتے ہیں کہ باطن کی اصلاح بلا اعمال ظاہرہ کے صرف خیال سے ہوسکتی ہے یہاں ایک اور ضروری بات بھی سننے کے قابل ہے وہ یہ کہ اس مضمون کو صرف شخصی ہی اصلاح کے متعلق نہ سمجھئے بلکہ جن جن

(۱) لکھ لکھ کر ڈھیروں قلم گھسو (۲) غصے کا تقاضہ دل میں ہے (۳) برائی۔

لوگوں پر کسی کا اثر ہے اس کے ذمہ ان سب کی بھی اصلاح ہے بعض لوگ محض اپنی حالت درست کر کے دوسروں سے بے فکر ہو جاتے ہیں غرض اپنی نگرانی کے ساتھ دوسرے متعلقین کی بھی نگرانی رکھنا چاہئے اور نگرانی سے مطلب میرا یہ نہیں ہے کہ کوئی محکمہ احتساب کا قائم ہو کیونکہ یہ کام سلطنت کا ہے اور سلطنت آزاد ہے تو احتساب عام تو کوئی کر نہیں سکتا بلکہ نگرانی کی صورت یہ ہے کہ اس طرح امر بالمعروف کریں کہ جو جس کے زیر اثر ہو وہ اس کو تعلیم کرے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ صرف اصلاح قولی کافی نہیں اس لیے اصلاح کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ خود عمل کریں کیونکہ فعل کا اثر زیادہ ہوتا ہے قول سے اور اگر امر بالمعروف کرنے والا خود منکرات میں مبتلا ہو تو اس کے کہنے کا مطلق اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ دل کھول کر قوت سے امر بالمعروف بھی نہیں کر سکتا، اس کو جرأت ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر شخص اس کا منہ بند کرنے کو تیار ہوگا کہ خود کرتے نہیں دوسروں کو تعلیم کرتے پھرتے ہیں۔

امر بالمعروف کا مؤثر طریقہ

صحیح اور مؤثر طریقہ امر بالمعروف (۱) کا یہی ہے کہ آدمی اول خود عامل ہو خصوصًا اگر ذی (۲) اثر اشخاص خود عامل ہوں تو ان کا فعل ہی امر کا کام دیتا ہے اور عوام کو خواہ مخواہ عمل کی طرف رغبت ہوتی ہے پھر اس کے ساتھ اگر امر بالمعروف بھی ہو تو کیا کہنا ہے سو زیادہ تر بار اصلاح کا ذی اثر اشخاص پر ہے ان کو اس کا خاص اہتمام چاہئے کہ خود بھی عمل کریں اور اپنے ذی اثر لوگوں کو عمل پر آمادہ کریں اور اس طرح سے ساری قوم کی پھر قومی ترقی سے مذہبی ترقی ہو سکتی ہے۔ لیکن آج کل خود ان ذی اثر اصحاب کی حالت یہ ہے کہ دوسروں کو تو عامل کیا بنائیں گے خود ہی عامل نہیں بنتے، بلکہ عمل کی ضرورت ہی کے قائل نہیں اور انہی میں سے بعض نے یہ بہانہ نکالا ہے کہ جو کچھ ہے باطن ہے اور ہم کو وہ حاصل ہے اور اس دعوے کا بطلان (۳) اس قدر ظاہر ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص علم تاریخ میں مہارت پیدا کرنا چاہے تو اس کے لیے بھی بار بار پڑھنے اور رَٹنے کی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ علم ایک دفعہ مطالعہ سے بھی ہو گیا تھا لیکن کمال اور مہارت جس کو کہتے ہیں اس کے لیے ایک ایک مضمون کو بار بار مطالعہ کی اور زبان سے

(۱) اچھائی کا حکم کرنے کا (۲) بااثر لوگ (۳) باطل ہوتا۔

رٹنے کی ضرورت ہے یہ ظاہر کا مرتبہ ہے جس پر باطن یعنی تاریخ کا علم موقوف ہے جو لوگ باطن باطن پکارتے ہیں وہ تاریخ ہی کو بے رٹے حاصل کر کے دکھادیں اور مجھے تو سخت حیرت ہے کہ باطن بلا ظاہر کے انہوں نے معنی کیا لیے ہیں۔

ظاہر ہمیشہ تابع باطن کے ہوتا ہے

اجی اصلاح باطن کے معنی تو یہی ہیں کہ ہمارے باطن میں جمیع اخلاق فاضلہ پیدا ہو گئے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ ظاہر ہمیشہ تابع باطن کے ہوتا ہے مثلاً قلب میں اگر غصہ ہے تو ضرور ظاہر پر اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اگر خوشی ہے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں جب یہ بات ہے تو باطن میں جو ملکات فاضلہ ہیں جب اس کے آثار جوارح پر ظاہر نہ ہوئے تو اس سے تو معلوم ہوگا کہ باطن خالی ہے ایک محبت ہی ہے سو اگر باطن میں محبت حق تعالیٰ کی ہوگی تو زبان سے بلا خدا کا نام لیے چین کیسے آوے گا محبت قلبی تو وہ چیز ہے کہ وہ بغیر اعضاء سے ٹپکے رہ ہی نہیں سکتی اور ایک عضو سے نہیں بلکہ از سر تا پا ہر ہر عضو سے ظاہر ہونے لگتی ہے اور یہ بہت ہی موٹی بات ہے اس واسطے کہ قلب سب سے افضل اور اشرف ہے یہ متبوع ہے اور تمام اعضاء تابع ہیں پس جو کیفیت قلب میں ہو اس کا اثر بال بال میں آنا چاہئے، دیکھئے بخار اس حرارت کا نام ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے اس کا اثر بال بال میں ہوتا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف قلب میں ہو یا بعض اعضاء تک محدود رہے۔

محبت کی خاصیت

اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ قلب میں محبت کی آگ ہو اور تمام بدن اس سے بھڑک نہ اٹھے، یہ محبت کیسی ہے کہ دل میں ہے اور سر سجدہ میں نہیں جھکتا پیر مسجد کی طرف نہیں چلتے زبان پر نام خدا کا نہیں آتا حضرت محبت کی تو یہ خاصیت ہے کہ اعضاء خواہ مخواہ اسی کے آثار میں مشغول ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ابونواس شاعر کہتا ہے۔

الا فاسقنی خمرا قل لی ھی الخمر ولا تسقنی سرا مٹی امکن الجھر (۱)

اور یہ حالت ہوتی ہے کہ باوجودیکہ محبت سامنے ہے مگر اس سے عاشق کو کفایت نہیں ہوتی اور یہ چاہتا ہے کہ کان میں بھی اس کا نام پڑے اور آنکھیں بھی اس کو

(۱) ”مجھے شراب محبت پلا اور مجھ سے کہو کہ یہ شراب ہے اور مجھے پوشیدہ مت پلا جب تک ظاہر کرنا ممکن ہو“

دیکھیں، آنکھیں دیدار سے لذت پا رہی ہیں تو کان اس کے نام سننے سے حظ حاصل کر رہا ہے۔

آثار محبت

اس حالت کا اندازہ جب ہوسکتا ہے کہ خدانخواستہ کسی سے آپ کو تعشق ہوجاوے (اور اس جلسہ میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو اس بلا میں گرفتار ہوں گے یا کبھی گرفتار ہوئے ہوں گے) عاشق مزاج لوگ جانتے ہیں کہ محبوب کی نری محبت پر عاشق سے بس نہیں ہوتی بلکہ اس کا نام بھی لیتا ہے اور آتش شوق کی بھڑک سے نام کے ساتھ ہائے ستمگر اور ہائے ظالم بھی لگاتا ہے۔ یہ القاب آگ کو اور تیز کرتے ہیں اور اس آگ سے اس کی لذت اور بڑھتی جاتی ہے۔

آثار عشق حقیقی

جب دنیا کے ایک ادنیٰ محبوب کے ساتھ تعلق کا یہ اثر ہوتا ہے تو عشق حقیقی کی کیا حالت ہوگی کہ اس محبت کے ہوتے ہوئے کیسے بے عبادت ظاہری کے رہا جاوے گا ہم دیکھتے ہیں کہ عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ محبوب سامنے بھی بیٹھا ہے تب بھی کہتا ہے کہ ہائے فلانے ارے فلانے اس کا نام لے لے کر خطاب کرتا ہے اور پکارتا ہے گویا وہ غائب ہے وجہ کیا ہے کہ اس کے نام لینے سے زبان لذت پاتی ہے اور سننے سے کان لذت پاتے ہیں اور وصل میسر ہے مگر کہتا ہے کیا کروں دل میں بٹھالوں آنکھوں میں جگہ دوں کبھی ہاتھ چومتا ہے کبھی اس کا منہ دیکھتا ہے اس سب کی بنا اس پر ہے کہ کوئی مرتبہ وصل کا ایسا نہیں جس پر عاشق کو بھی سیری ہوجاوے سب طرح وصل میسر ہے اور اس سے آگے کوئی مرتبہ اس کے ذہن میں بھی نہیں مگر طبیعت کو سیری نہیں اور اس سے زیادہ قرب کو چاہتی ہے اسی حیرانی میں ایسے کلمات کہتا ہے عشق تو یہ ہے اور نہ معلوم یہ عشق کیسا ہے جس میں صرف خیال ہی پر سیری(۱) ہوگئی ہے اور جو مرتبہ قرب سب سے ادنیٰ ہے یعنی ذکر لسانی اس کی طرف بھی طبیعت نہیں چلتی کچھ ہیں صرف دھوکہ ہے جب کہ ایک محبوب مجازی کے عشق کی یہ حالت ہے تو عشق حقیقی کی تو کیا حالت ہو، اس سے زیادہ ہی ہونا چاہئے۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولی بود(۲)

(۱) سیرابی (۲) ''مولائے حقیقی کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کیا کم ہو اس کے لیے کوچہ گردی کرنا اولیٰ ہے''

مجنوں کی حکایت آپ نے سنی ہوگی پھر سنئے

دید مجنوں را یکے صحرا نورد در بیابانِ غمش بنشستہ فرد(۱)
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم می نمودے بہر کس نامہ رقم(۲)
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں می نویسی نامہ بہر کیست ایں

یہ کس کو خط لکھ رہے ہو؟ جواب دیا

گفت مشقِ نام لیلیٰ می کنم خاطرِ خود را تسلّی می دہم

لیلیٰ لیلیٰ لکھ رہا ہوں اور دل ٹھنڈا کر رہا ہوں۔

دیکھئے مجنوں کو صرف لیلیٰ کی یاد کافی نہ ہوئی بلکہ زبانی ذکر بھی کافی نہ ہوا بلکہ جوشِ عشق نے اس پر مجبور کیا کہ ہاتھ سے بھی لیلیٰ لیلیٰ لکھے ہاتھ کیوں خالی رہیں شاید کوئی خشک مغز کہے کہ اس سے کیا فائدہ تھا کہ لیلیٰ لیلیٰ ریتے پر لکھ رہے ہیں یہ سوائے خبط(۳) اور تضییع وقت کے اور کیا ہے، اس سے کچھ وصل میں بھی تو مدد نہیں ملتی پھر کیا فائدہ تم ویسے ہو جاؤ تو معلوم ہو کہ اس سے کیا فائدہ ہے، فائدہ تو ہے ہاں قاعدہ نہیں عاشق کے افعال قاعدہ اور ضابطہ کے نہیں ہوتے اور ان پر اعتراض جب ہی تک کسے جاتے ہیں جب تک کہ آپ عاشق نہیں ہیں عاشق ہو جایئے تو پھر خود آپ کے افعال بھی ایسے ہی ہو جاویں گے۔

پر سید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چوں ما شوی بدانی(۴)

دعویٰ محبت

عشق ایسی ہی چیز ہے جس سے کوئی قاعدہ قانون باقی نہیں رہتا بلکہ کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی سوائے محبوب کے، خلاصہ یہ کہ لیلیٰ کے عشق میں جب یہ حالت تھی تو حق تعالیٰ کے عشق میں کیا حالت ہونا چاہیے یہ کیسی خدا کی محبت ہے جس میں زبانی یاد بھی نہیں، کیسے چین آیا کذاب ہے وہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے محبت کا اور سجدہ میں گردن نہیں جھکتی پس ثابت ہو گیا کہ جو لوگ بدوں ظاہر کے باطن کا دعویٰ کرتے ہیں وہ باطن سے بھی خالی ہیں۔

اب میں وہ دعویٰ کرتا ہوں جو بالکل وعظ کے ابتداء میں تھا کہ ان لوگوں کے

(۱) ''مجنوں کو کسی نے ایک جنگل بیابان میں دیکھا کہ اکیلا بیٹھا ہے اور یہ مشغلہ ہے'' (۲) ''انگلیوں سے ریتے پر کچھ لکھ رہا ہے اس نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو'' (۳) دیوانگی (۴) ''ایک شخص نے دریافت کیا کہ عاشقی کیا ہے میں نے جواب دیا کہ جب ہماری طرح ہو جاؤ گے تو تم کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی''۔

پاس باطن بھی نہیں تو یہ لوگ ظاہر اور باطن دونوں سے کورے ہیں بیان اس کا یہ ہے کہ ان لوگوں سے ایک غلطی ہوئی ہے وہ یہ کہ جس چیز کو انہوں نے باطن سمجھا ہے وہ باطن ہے ہی نہیں مثلاً نماز کا باطن ذکر کو سمجھا ہے اس میں ایک کوتاہی ہوئی ہے۔

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست(۱)

حقیقت ذکر

اور وہ غلطی اور کوتاہی یہ ہے کہ ذکر جس کے معنی یاد کے ہیں اور جس کو یہ لوگ نماز کا باطن اور نماز کی روح کہتے ہیں وہ دو طرح کا ہے ایک وہ جو مقرون بہ ہیئت صلوٰۃ ہو اور ایک وہ جو بدوں اس ہیئت کے، پس ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ نماز کی روح صرف یاد ہے، سو یہ غلطی ہے حقیقت میں نماز کی روح خاص وہ یاد ہے جو ہیئت صلوٰۃ میں ہو اور دلیل اس کی فرضیت اس ہیئت کی ہے پس جب ظاہر صلوٰۃ نہ پایا گیا تو اس صلوٰۃ کا جو باطن تھا وہ بھی نہیں پایا گیا تو یہ دونوں سے کورے رہ گئے۔

جملہ عبادات ظاہر و باطن کی جامع ہیں

اب ایک یہ بات اور باقی رہ گئی کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ نرا ظاہر تو بدوں باطن (۲) کے کسی قدر کار آمد بھی ہے اور اس کا عکس یعنی نرا باطن بدوں ظاہر (۳) کے کچھ بھی کار آمد نہیں اس کا بیان یہ ہے کہ جس کو یہ لوگ ظاہر محض کہتے ہیں اور جس پر باطن محض کو ترجیح دیتے ہیں مثلاً نماز و روزہ سو وہ صرف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ مجموعہ ہوتا ہے ظاہر اور باطن کا کیونکہ نماز اور اسی طرح جمیع عبادات میں نیت شرط ہے اور وہ باطن ہے تو وہ نماز مجموعہ ہوا ظاہر و باطن کا اور ظاہر ہے کہ یہ مجموعہ حسب قاعدہ الکل اعظم من الجزو (۴) صرف باطن سے بڑا اور زیادہ ہی ہوگا تو میرا مدعا عقلاً ثابت ہو گیا ہاں اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نیت فعل باطن تو ہے مگر وہ صرف عمل کے ایک ہی حصہ میں ہے یعنی شروع میں تو پوری نماز مجموعہ ظاہر و باطن کا کہاں ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اتنے جز کو تمام عمل میں پھیلا دیا اور ہر ہر جز و عمل کے لیے علیحدہ نیت کی ضرورت نہیں بتلائی، شروع کی نیت تمام اجزائے عمل کے لیے کافی

(۱) ”دوست غلطی یہی ہے کہ تم سخن شناس نہیں ہو“ (۲) صرف ظاہر بغیر باطن (۳) صرف باطن بغیر ظاہر (۴) ”کل جز سے بڑا ہوتا ہے“

ہوگئی اور اس تعدید کا اثر ہم افعال حسیہ میں بھی دیکھتے ہیں، دیکھئے چلنا ایک فعل اختیاری ہے جس کے لیے قصد شرط ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ چلنے کے ہر جزو کے ساتھ قصد مستقل متعلق نہیں ہوتا صرف اول بار کے چند قدم اٹھانے کے ساتھ قصد کا ہونا تمام اجزاء کے صدور کے لیے کافی ہوگیا بس اسی طرح سے اول کی نیت تمام اجزاء صلوٰۃ کے ساتھ متعلق ہونے سے یہ بات محفوظ رہی کہ نماز نام ہے مجموعہ ظاہر و باطن کا، پس وہ دعویٰ ثابت ہوگیا کہ جس کو صرف ظاہر کہا جاتا ہے وہ بنسبت باطن محض کے زیادہ کارآمد ہے۔

ظاہر کو فضول سمجھنا خطرناک ہے

اب ایک طرف اس شخص کو رکھئے جو صرف ظاہری نماز پڑھتا ہے اور ایک طرف اس شخص کو رکھئے جو نماز روزہ کچھ نہیں کرتا اور اس زعم میں ہے کہ مجھ کو باطن حاصل ہے دلیل بتلاتی ہے کہ شخص اول کے پاس ظاہر اور باطن دونوں ہیں اور اس دوسرے کے پاس نہ ظاہر ہے نہ باطن، جیسا اوپر مفصل بیان ہوا اور یہ مسلک ایک دوسرے طریق پر بھی نہایت خطرناک ہے کہ ظاہر کی ضرورت نہ سمجھی جاوے اور ظاہر کو فضول اور بے کار سمجھا جاوے اور خطرہ اس میں یہ ہے کہ اس میں شریعت کا مقابلہ لازم آتا ہے کہ شریعت نے تو ظاہر کی تعلیم کی اور اعمال مقرر فرمائے اور ہر ہر عمل کے اجزاء تفصیل کے ساتھ بیان کئے اور انہوں نے سب کو فضول قرار دیدیا اس کے تو معنی یہ ہوئے کہ شریعت نے یہ سب فعل لایعنی (۱) کیا، سو یاد رکھئے کہ کوئی ادنیٰ سی عقل والا بھی فعل لایعنی نہیں کیا کرتا چہ جائیکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے یہ سب احکام مقرر فرمائے کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب بکھیڑے فضول پھیلائے ہیں، یہ کلمہ تو ایسا ہے جس کے تصور سے بھی مسلمان کانپ اٹھے زبان سے کہنا تو کیسا، مگر تعجب ہے کہ بہت مسلمان ایسے ہیں کہ اگر قالاً اس میں مبتلا نہیں مگر حالاً مبتلا ہیں زبان سے ایسا کلمہ نہ کہیں مگر عملدرآمد ان کا یہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ تعلیمات بالکل فضول ہیں چنانچہ ظاہر پر بالکل عمل نہ کرنا اس کی دلیل ہے اور اس طرح کے لوگ بہت ہیں اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو زبان سے بھی یہ کلمہ کہتے ہیں، بعینہ یہ لفظ نہ سہی مگر اس کے مرادف دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں یہ اس زمانہ کے مدعیان مشیخت (۲) ہیں

(۱) بیکار کام کیا (۲) بزرگی کے دعویدار۔

جو کہتے ہیں اصل چیز باطن ہے اس کے ہوتے ظاہر ہوا یا نہ ہوا چنداں حرج نہیں اس جملہ کے معنی بجنسہٖ(۱) وہی ہیں گو لفظ بدلے ہوئے ہیں سو خدا تعالیٰ کی نظر حقائق پر ہے عنوانات اور الفاظ پر نہیں ہے جب اس کلام کی وہی حقیقت ہے تو اسی درجہ میں یہ بھی قبیح ہے(۲) اور حیرت در حیرت یہ ہے کہ باوجود اس بطلان صریح کے بہت لوگ اُن کے معتقد ہوجاتے ہیں محض فقیری کا نام لگ جانے سے یا کوئی شعبدہ دیکھ لینے سے یا لمبی چوڑی باتیں سن لینے سے۔

جاہل فقراء کے معتقدوں کا حال

اور میں ڈرتا ہوں کہ ایسے لوگ جو ذرا بات میں فقیروں کے معتقد ہوجاتے ہیں اندیشہ ہے کہ وہ دجال کے زیادہ معتقد ہوں گے کیونکہ دجال کی حالت بھی ایسی ہوگی کہ مجذوب سا بنا ہوگا ایسے لوگ اس کو بھی کامل سمجھیں گے اور اس کے دعوؤں کو منصور کے انا الحق کی طرح کہیں گے اور شعبدوں اور خرق عادت کا اس کے ساتھ کیا ٹھکانا ہے جو کسی سے نہ ہوا ہو وہ کرے گا احیاء(۳) موتےٰ تک اس کے ہاتھ سے ہوگا پھر یہ لوگ کیسے اس کے متبع نہ ہوں گے جن کی حالت یہ ہے کہ

لختے برد از دل گذرد ہر کہ بہ پیشم(۴)

جس نے ذرا عجیب بات دکھادی اسی کے معتقد ہیں حتّٰی کہ بہت سے لوگ جوگیوں کے معتقد ہیں اور صرف عوام نہیں بلکہ بہت سے خواص اس خبط میں مبتلا ہیں کہ ایک چٹکلہ کسی جوگی سے دیکھ لیا اور اس کو کامل کہنے لگے اور اس کے پیچھے ہوگئے حضرت یہ بڑا فتنہ ہے بعض وقت ایمان تک اس سے کھویا جاتا ہے مسلمان کو عجائب پرست نہ ہونا چاہئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جان و دل خدا کا ہے ان پر کسی کو سوائے خدا کے قبضہ دینا نہیں چاہئے۔

دل بدہ الا بمہر سر خوشاں(۵)

البتہ یہ خدا تعالیٰ کی اجازت ہے کہ جو ہمارا ہے اسے جان و دل دیدو تو اہل اللہ کو جان و دل دینا تو ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو دینا کیونکہ ان کے حکم سے ہے البتہ اسی کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے کہ اہل اللہ کون ہیں، پوری چھان بین کے بعد کسی سے

(۱) اس کا بالکل وہی مطلب ہے (۲) برا (۳) مردوں کو زندہ کرنے تک (۴) ''میرے سامنے جو (حسین) گذرتا ہے وہ دل کا ایک ٹکڑا لے جاتا ہے'' (۵) ''دل دو مگر سرخوشوں یعنی اولیاء کی محبت میں''۔

تعلق کرنا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ درحقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ کرنا ہے اگر اس میں غلطی ہوئی تو خدا کے پہچاننے میں غلطی ہوگی جو شخص خود باطل پر ہے وہ باطل ہی کی طرف تو لے جائے گا خدا تک کہاں پہنچاوے گا اس واسطے جس سے تعلق کرنا ہو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ خود حق پر ہے یا نہیں اور اس کا معیار محض فقیری کا نام لگ جانا یا شعبدے دکھانا یا لمبی چوڑی باتیں کرنا تو نہیں ہیں کیونکہ بہت موٹی بات ہے کہ یہ باتیں ہر فرقہ میں موجود ہیں تو لازم آتا ہے کہ سب حق پر ہوں حالانکہ یہ بداہۃً باطل ہے حق تو ایک ہی ہوسکتا ہے تو حق کا معیار دلیل صحیح ہے پس جس کو عامل علی الشریعت (۱) نہ پاؤ چاہے وہ لاکھ شعبدے دکھاوے اور فقیر اور شاہ صاحب بنا ہوا ہو اس کے تو پاس بھی مت پھٹکو اور جو شریعت پر تو عامل ہو مگر صاف باطن نہ ہو اس کا قرب و تعلق تو مضر نہیں مگر وہ قابل دل دینے کے لیے بھی نہیں۔

باطن کا حال معلوم کرنے کا طریقہ

اب یہ بات رہ گئی کہ باطن کی حالت کیسے معلوم ہو سو باطن کسی کا دل چیرنے سے نہیں معلوم ہوتا بلکہ افعال و آثار سے معلوم ہوجاتا ہے اسی کو مولانا کہتے ہیں۔

جملہ داناياں ہميں گفتا ہميں ہست دانا رحمۃ اللعالمين
گر انارے ميخرى خندان بخر کہ دہد خندہ زدانہ او خبر (۲)

شراح نے کہا ہے کہ ہست دانا رحمۃ العالمین۔

عارفین کا وجود بہت بڑی نعمت ہے

مقولہ ہے گفتا کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام عارفین نے کہا ہے کہ عارف کو رحمت خدا سمجھو اور میں کہتا ہوں کہ ہست دانا رحمۃ اللعالمین جملہ معترضہ ہے اور مقولہ گفتا کا دوسرا شعر ہے گر انارے می خری خنداں بخر اب مطلب یہ ہوگا کہ عارفین کا قول ہے اور درمیان میں عارف کی مدح کردی کہ عارف کا وجود بھی بڑی نعمت ہے اور وہ مقولہ یہ ہے کہ انار خریدو تو کھلا ہوا خریدو کیونکہ اس کے کھلے ہوئے ہونے سے اندر کے حال کا پتہ چل جاوے گا اور اگر بند انار خرید لو گے تو ممکن ہے کہ بالکل سڑا ہوا نکل جاوے پس اسی

(۱) شریعت پر عمل کرنے والا (۲) تمام عارفین نے یہ بات کہی ہے (اور سب سے بڑے عارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جب انار خریدو تو کھلا ہوا خریدو کیونکہ اس کے کھلے ہونے سے اندر کا مال معلوم ہوجائے گا۔

طرح جس سے ایسا تعلق پیدا کرنا چاہو اول اس کے افعال وآثار دیکھ لو آگے اس کے مقابل کے آثار وافعال کو دلیل خبث باطن قرار دے کر فرماتے ہیں۔

نا مبارک خندۂ آں لالہ بود کہ زخندہ او سواد دل نمود

یعنی لالہ کا پھول جب تک کہ کلی کی صورت میں تھا سرخ رنگ اور خوبصورت تھا اور اچھا معلوم ہوتا تھا ممکن ہے کہ اس کی خوبصورتی سے کوئی راغب ہوجاوے مگر جب کھلا تو اندر سیاہی تھی تو کسی چیز کو بلا اندرونی حالت معلوم کئے لینا نہ چاہئے مطلب یہ ہے کہ کسی سے تعلق پیدا کرو تو اچھی طرح اس کو پرکھ لو اور پرکھ یہ ہے کہ اس کے افعال محمود ہوں اور اگر اس کے افعال ظاہری خراب ہیں تو سمجھ لو کہ اس کی ہنسی لالہ کی سی ہنسی ہوگی جب کبھی باطن کھلے گا تو سیاہی اور ظلمت ہی نکلے گی۔ اب میں بیان کو ختم کر چکا اور کوئی پہلو اس تعلیم کا باقی نہیں رہا ان کی ضرورت کا بیان پرسوں کے وعظ میں ہو چکا تھا اور ظاہر کے متعلق تمام پہلوؤں کا بیان آج ہوگیا خلاصہ یہ کہ اس دن کے بیان کا حاصل یہ تھا کہ نرے ظاہر پر نہ رہو بلکہ باطن کو بھی لو اور اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ نرے باطن پر نہ رہو بلکہ ظاہر کو بھی دین کا لطف یہ ہے کہ باطن کو بھی اس سے معمور کرو اور ظاہر کو بھی آراستہ کرو جس سے یہ مضمون ظاہر ہوجاوے کہ

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت ببوار باب معنی را(۱)

وعظ کا نام

چونکہ آج کے بیان میں ظاہر کی بحث ہے اس واسطے اس کا نام الظاہر رکھا جاتا ہے جیسے اس سے پہلے وعظ کا نام الباطن رکھا گیا ہے ہاں ظاہر کی ضرورت کا ایک اور راز بیان کرتا ہوں دو منٹ کے لیے وعدہ خلافی تو ہوتی ہے مگر لوگ خوش ہوں گے ایسی وعدہ خلافی سے کیونکہ یہ وعدہ خلافی ایسی ہے جیسے کسی سے وعدہ کریں دو روپے دینے کا اور دے دیں تین روپے کہ یہ بھی تو وعدہ خلافی ہے مگر مفید مطلب ہونے کی وجہ سے ناگوار نہیں ایسی وعدہ خلافی تو ہر شخص چاہتا ہے راز کیا ہے اس کا کہ ظاہر وباطن دونوں کی

(۱) ''اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بو سے تازہ رکھتی ہے''

اصلاح کی ضرورت ہے یہ بیان تبرعاً کیا جاتا ہے کیونکہ اس پر کوئی مدعا موقوف نہیں مگر پھر بھی وہ راز تبرعاً اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ مدعیوں کو معلوم ہوجاوے کہ طالب علموں کے پاس ہر قسم کا ذخیرہ ہے مگر ان کو شور مچانے کا شوق نہیں اس واسطے ان کے ذخیرے ظاہر نہیں ہوتے یہ مُلّا نے جتنا اللہ نے ان کو بتایا ہے جانتے سب ہیں، مگر اس کو ظاہر نہیں کرتے بعض وقت تو اس وجہ سے ٹال دیتے ہیں کہ مخاطب اہل نہیں اس کے سمجھنے کا اور بعض وقت اس وجہ سے کہ مخاطب اس کے بیان کو ان کے ذمہ سمجھتا ہے حالانکہ ان کے ذمہ نہیں ہے کیونکہ یہ کسی کے محکوم نہیں ہیں کسی سے کچھ خواستگار نہیں، کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے پھر کسی کا ان پر زور کیا ہے تو وہ اس زعم کے ابطال کے لیے بھی بعض وقت اعراض کرتے ہیں غرض یہ بعض مصلحتوں سے چپ ہیں نہ کہ بے خبری سے بقول حافظ رحمۃ اللہ۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست (۱)

حقیقت عبادت

ہاں کبھی تبرعاً بیان بھی کر دیتے ہیں گو ان کے ذمہ ضروری نہیں آخر نفل بھی تو پڑھتے ہیں (اگرچہ طلبہ نفل کم پڑھتے ہیں مگر کبھی تو پڑھ ہی لیتے ہیں) اور وہ راز یہ ہے اس میں اول ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت کیا ہے، عبادت کی حقیقت ہے اسماء وصفات کے حقوق ادا کرنا اسماء وصفات کے کچھ حقوق ہوتے ہیں ان حقوق کے معنی یہ ہیں کہ وہ بات اختیار کرنا جس سے ان کا ظہور ہو مثلاً حاکم کی صفت کا مقتضیٰ اور حق یہ ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت کی جاوے یا معطی کہ اس کا حق یہ ہے کہ اس سے مانگا جاوے یا باپ ہونا کہ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بیٹا اس کی اطاعت کرے یا بیٹا ہونا کہ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ باپ اس پر شفقت کرے یہ مقدمہ بہت ہی ظاہر اور مسلّم ہے اور یہ کوئی تصوف کا باریک مسئلہ نہیں ہے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو جان لیجئے کہ حق تعالیٰ کے بہت سے اسماء وصفات ہیں تو عبادت الٰہی کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے حقوق کو ادا کیا جاوے مثلاً معبود کہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جاوے یا رحمٰن کہ اس کا حق یہ ہے کہ اس سے تحصیل رحمت کی جاوے وعلیٰ ہذا القیاس، غرض عبادت کی

(۱) ”مصلحت نہیں ہے کہ راز آشکارا ہوجائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ معلوم نہ ہو“

حقیقت اسماء الٰہی کے حقوق ادا کرنا ہے اور یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی وہ یہ کہ اسماء وصفات باری تعالیٰ کے لا متناہی ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے حقوق بھی غیر متناہی ہوں گے اور غیر متناہی کے ادا پر قدرت محال ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کی پوری عبادت ادا کرنے پر کوئی قادر نہیں ہوسکتا اسی واسطے کہا ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدر گاہ خدا آورد(۱)
ورنہ سزاوار خداوندیش کسے نتواند کہ بجا آورد(۲)

یعنی جبکہ عبادت پوری ادا نہیں ہوسکتی تو بندہ کو چاہئے کہ جہاں تک امکان میں ہے اتنی تو ادا کرے اور یہاں سے اس کا بھی نکتہ نکل آیا کہ کافر کو خلود فی النار (دوزخ میں ہمیشگی) کیوں ہوگا، بعض لوگ یہ اشکال کیا کرتے ہیں کہ کافر نے جرم کفر ایک مدت متناہی تک تو کیا ہے لہٰذا اس کی سزا بھی متناہی مدت تک ہونی چاہئے اس کی کیا وجہ کہ جرم کی مدت تو متناہی ہو اور سزا کی مدت غیر متناہی وہ نکتہ یہ نکلا کہ کافر نے حق تعالیٰ کی عبادت سے انکار کیا تو اس نے اسماء غیر متناہیہ کے حقوق کو ضائع کیا کیونکہ عبادت کی حقیقت اداء حقوق اسماء تھی تو اس کی ضد اضاعت حقوق اسماء ہوئی اور اسماء لامتناہی(۳) ہیں تو اس کا جرم لا متناہی ہوا تو اس پر سزا بھی لا متناہی ہونی چاہئے تو اس کا خلود(۴) عقل کے موافق ہوا نہ کہ خلاف عقل۔ خیر یہ لطائف تو جملہ معترضہ تھے اصل مضمون یہ تھا کہ عبادت کرنا ہی حقوق اسماء وصفات کا ادا کرنا ہے اور منجملہ اسماء الٰہی کے ظاہر اور باطن کا بھی ہے ان کے حقوق بھی ادا کرنا چاہئیں ظاہر کے حقوق اعمال ظاہرہ کا ادا کرنا ہے اور باطن کے حقوق باطن کی اصلاح کرنا بھی ہے پس جس شخص نے ایک میں بھی کوتاہی کی اس نے اس اسم کے حق کو ضائع کیا پس شرعاً اور عقلاً اور عرفاً سب طرح جس مطلوب کا دعویٰ کیا گیا تھا وہ بحمد اللہ ثابت ہوگیا، اب دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ ہر قسم کی اصلاح کی توفیق اور ہمت عطا فرماویں(۵)۔

(۱) ''بندہ وہی بہتر ہے جو اپنی کوتاہی کا عذر دربار خداوندی میں لائے'' (۲) ''ورنہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کی خداوندی کی عظمت کے لائق کوئی طاعت بجالاوے'' (۳) کوئی انتہا نہیں ہے (۴) دوزخ میں ہمیشہ رہنا (۵) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁

أخبار الجامعة

ماہ فروری/ مارچ 2024ء

اسفار حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی
(مہتمم جامعہ ہٰذا)

❁ 21 فروری: مدرسہ تبلیغ القرآن والسنۃ کے زیر اہتمام جامع مسجد عائشہؓ مسلم ٹاؤن لاہور 15 حفاظ کرام کی دستار بندی اور انعامات سے نوازا۔

❁ 23 فروری: جامعہ عثمانیہ پشاور مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ کے مدرسہ اساتذہ کرام اور طلباء سے خصوصی ملاقات اور علم تجوید وقراءات پر قیمتی آراء سے نوازا۔

❁ 24 فروری: بعد نمازِ فجر جامعہ عثمانیہ پشاور سے بذریعہ واٹس ایپ ویڈیو ریکارڈنگ ارسال کی جس میں کلیۃ القرآن الکریم جامعہ لاہور الاسلامیہ لاہور سے قراءاتِ عشریہ نافعیہ کی تکمیل کرنے والے طلباء واساتذہ کرام کے لیے کلماتِ تبریک پیش فرمائے اور دعاء خیر سے نوازا جس کو رات لاہور منعقد ہونے والی تقریب میں سامعین وحاضرین مجلس کے سامنے نشر کیا گیا۔

❁ 24 فروری: پشاور سے افغانستان کابل روانگی ہوئی جہاں 4 روزہ دورہ کے دوران مختلف مدارس دینیہ ومکاتبِ قرآنیہ میں اساتذہ کرام وطلباء سے ملاقاتیں ہوئیں۔

حفاظ کرام کو آخری سبق مکمل کروا کر تکمیل قرآن کریم کروائی اور 26 فروری جامعہ تجوید القرآن خوست میں عظیم الشان محفل حسنِ قراءۃ میں شرکت فرمائی جہاں وزیر داخلہ مولانا سراج الدین حقانی دامت برکاتہم اور مشائخ تجوید وقراءات کی موجودگی میں قراءات سبعہ وثلٰثہ اور روایتِ حفصؒ وحفظ وناظرہ کے طلباء کی بہت بڑی جماعت کی دستار بندی کی اور انعامات سے نوازا۔

❁ 2 مارچ: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے فاضل اور خوش نویس کاتب مولانا قاری محمد حنیف صاحب کے ہاں عبدالحکیم ملتان محفل حسنِ قراءۃ میں شرکت فرمائی اور

کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔

تلمبہ مولانا باچہ خان صاحب کے مدرسہ میں جانا ہوا اور علمِ تجوید وقراءات کے نظام اور اِس شعبہ کو چلانے کے لیے مکمل سرپرستی کی دعوت قبول فرمائی۔

❁ 3 مارچ: ٹوبہ ٹیک سنگھ روڈ وسلطان مولانا عادل صاحب کے مدرسہ سالانہ محفل حسن قراءاۃ میں شرکت فرما کر کامیاب طلباء کی دستار بندی کی اور انعامات سے نوازا۔

❁ 7 مارچ: تین روزہ دورے کے لیے کراچی روانگی ہود جہاں معہد الخلیل مدرسہ کی سالانہ تقریب میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی ،تلاوت کے بعد حُسنِ کارکردگی کے حامل ممتاز اساتذہ کرام کو قیمتی انعامات وشیلڈز سے نوازا پھر 8 اور 9 مارچ منظور کالونی مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کے مدرسہ میں خُطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور مسابقہ حفظ القرآن الکریم کی ججمنٹ فرمائی اور پوزیشن ہولڈرز کو گراں قدر انعامات سے نوازا۔

نوٹ: جامعہ کے کرم فرما معززمعاونین کو یہ معلوم ہوکر یقیناً مسرّت ہوگی کہ

(۱) ماہ رمضان المبارک میں جامعہ ہٰذا کی بہت بڑی تعداد میں طلباء واساتذہ کرام ، جدید وقدیم فضلاء حفاظ وقراء کرا نے ملک وبیرون ملک نمازِ تراویح میں قرآن کریم سنانے کا شرف حاصل کیا۔

(۲) وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں مجموعی طور پر طلباء نے بہترین کامیابی حاصل کی ہے۔

(۳) عصری تعلیم میں کلاس دہم اور نہم کے طلباء نے بھی بورڈ کے امتحانات میں شرکت کی۔

(۴) وفاق المدارس کے امتحان برائے تجوید للعلماء میں جامعہ کے فاضل قاری صغیر احمد نے ملکی سطح پر دوسری پوزیشن حاصل کی ہے۔

❁❁❁

❁